Al-Kashaf: Research Journal for Social Sciences (Miscellaneous)
Volume 3 No. 1. January – June 2023
ISSN: 2790 – 8798; E-ISSN: 2790 – 8801

ماہنامہ ضیائے حرم :اقبال شناسی

Zia-ul-Haram Monthly: Illuminating Iqbal's Literary Legacy

*Wahid BaksahTahir**
[1]*M.Phil Research Scholar, Department of Islamic Studies, Al Hamad Islamic University, Islamabad*

KEYWORDS

Zia-e-Haram
Iqbal
Khudi
Karam Shah
Magzine

ABSTRACT

Monthly "Ziyae Haram" is a mature magazine intellectually and technically. It contains all the essentials of literature: eloquence, research, thought, and creative writing. "Zia-e-Haram" is a reliable magazine in terms of its charming writings and the simplicity, elegance, and elegance of its style. He is a prominent personality whose biography has been covered in countless books and magazines on art and philosophy. In this vast collection of Iqbal knowledge, all kinds of high- and average-level writings are found. Jawahl, Aql, Danesh, and Arbab are the practical proof of the intellectual efforts of resolving the marriage. Iqbal is a fortunate poet and intellectual whose critical study has built its foundations in his life." Translating Asrar Khudi into English brought Iqbal's thought to the western world. Along with this, Dickinson analysed Asrari Khudi in Natim weekly. In addition, Foster published a commentary on Iqbal's philosophy in Athenaeum magazine. This led to the study of Iqbal in the West. In the same way, special attention was focused on the study of Iqbal in India, and the people of knowledge and wisdom took full part in conveying the song of Iqbal to the general public. As far as knowledge is concerned, in this context, Arbab Ilm Danesh has entrusted many beautiful writings to pen and paper that are intended for research and critical review. But in this chapter, only the issue of Iqbal number November 1977 will be discussed regarding Iqbal knowledge. In this issue, Iqbal's biographies and theories, as well as some poets' poems about Iqbal, are included. The special publication of this issue is related to the centenary of Allama Iqbal's birth anniversary. If seen in this way, it is a practical proof of the reality and recognition of the greatness of the "Zia Haram" in front of Iqbal. It has been kept that useful articles related to common problems have been included, not only looking at specific topics and Iqbal's philosophical discussions.

*Corresponding Author: Muhammad Hassan Raza
Email Address: hassani97edu@gmail.com

تعارف:

ماہنامہ " ضیائےحرم "فکری اور فنی اعتبار سے ایک پختہ مجلہ ہے ۔ اس میں ادبیت ، بلاغت، تحقیق ، فکر اور تخلیقی رچاؤ کے تمام تر لوازمات ملتے ہیں ۔اپنی دلکش تحریروں اور انداز بیان کی سادگی ، شگفتگی اور سلاست کے حوالے سے ماہنامہ" ضیائےحرم " ایک معتبر رسالہ ہے ۔علامہ اقبال برصغیر و پاک ہند کی وہ نمایاں شخصیت ہیں جن کے سوانح فکر فن اور فلسفہ پر لاتعداد کتب و رسائل احاطہ تحریر میں آچکے ہیں ۔ اقبال شناسی کے اس وسیع ذخیرہ میں اعلیٰ پائے اور اوسط درجہ ہر طرح کی تحریریں ملتی ہیں ۔ جواہل عقل و دانش اور ارباب حل و عقد کی فکری کاوشوں کا عملی ثبوت ہیں ۔اقبال وہ خوش نصیب شاعر اور دانشور ہیں جن کا تنقیدی مطالعہ ان کی زندگی میں ہی اپنی بنیادیں استوار کر چکا تھا ۔یورپی مفکرین میں ڈاکٹر نکلسن نے اقبال کی مثنوی"اسرار خودی کا انگریزی میں ترجمہ کر کے فکر اقبال کو مغربی دنیا سےروشناس کرایا ۔اس کے ساتھ ساتھ ڈکنفن نے " Natim weekly "میں اسراری خودی کا تجزیہ کیا ۔ان کے علاوہ فاسٹر نے فلسفہ اقبال پر رسالہ "Athenaeum"میں تبصرہ شائع کیا جس سے مغرب میں اقبال شناسی کا دورہوا ۔ اسی طرح ہندوستان میں مطالعہ اقبال پر خصوصی توجہ مرکوز ہوئی اور نغمہ اقبال کی شرینی کو خاص و عام تک پہنچانے میں اہل علم و دانش نے بھر پور حصہ لیا ۔ جہاں تک ماہنامہ "ضیائےحرم"کی اقبال شناسی کا تعلق ہے ۔ تو اس ضمن میں ارباب علم دانش نے بہت خوبصورت تحریریں سپرد میں قلم و قرطاس کی ہیں جن کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ مقصود ہے ۔

لیکن اس باب میں اقبال شناسی کے حوالے سے صرف اقبال نمبر نومبر 1977ء کو ہی موضوع بحث بنایا جائے گا ۔اس شمارے میں اقبال کے سوانح ونظریات کے ساتھ ساتھ چند شعرا کی اقبال کے حوالے سے نظمیں شامل ہیں ۔

اس شمار ےکی خصوصی اشاعت علامہ اقبال کی سو سالہ یوم ولادت کے حوالے سے ہے ۔اس طرح دیکھا جائے تو یہ " ضیائےحرم " کی طرف سے اقبال کے حضور ایک طرع کی حقیقت و اعتراف عظمت کاعملی ثبوت ہے اس شمار ےمیں ایک بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ دقیق موضوعات اور اقبال کے فلسفیانہ مباحث سے صرف نظرکرتے ہوئے عام ملی مسائل سے متعلق مفید مضامین کو شامل کیا گیا ہے ۔اس ضمن میں ماہنامہ"ضیائےحرم "کے مدیر اعلیٰ پیر محمد کرم شاہ الازہری " سردلبراں"میں یوں رقمطراز ہیں ۔

"9 نومبر 1977 کو حکیم الامت حضرت علامہ اقبال کا سو سالہ یوم پیدائش منایا جا رہا ہے اس موقع پر ہم اپنے قارئین کی خدمت میں ایک خصوصی اشاعت پیش کر رہے ہیں ہر چند یہ اشاعت ضخامت کے اعتبار سے مختصر ہے لیکن ہم نے کوشش کی ہے کہ حضرت علامہ پر تحقیق کرنے والوں اور ان کے قریبی دوستوں سے (جو اب بہت کمیاب ہیں) ایسے عنوانات پر مضامین لکھوائیں جو ہماری روز مرہ زندگی اور ملی مسائل میں ہماری رہنمائی کر سکیں اس نمبر میں ادق اور فلسفیانہ مباحث کے بجائے ایسے عام مہم اور مفید مضامین شامل کیے گے ہیں جو انشاء اللہ ہماری انفرادی اور قومی زندگی کو سنواردیں گے۔"(۱)

ماہنامہ " ضیائےحرم " اقبال نمبر نومبر 1977 بمطابق زی الحجہ 1398ھ

مدیر اعلیٰ	:	پیر محمد کرم شاہ الازہری سجاد نشین بھرہ
مدیر معاون	:	ابو زاہد نظامی
ناظمان طباعت	:	ایم غلام مرتضیٰ محمد سعید اسعد
کتابت تزئین	:	اقبال اختر
ناظم طباعت	:	ابو نوید شیخ

جلد 8 نمبر 2
زیر نظر شمار ہ میں اقبال پر 13 مضامین اور دونظمیں شامل ہیں ۔ یہ شمار 113 صفحات پر مشتمل ہے ۔ شمارے میں شامل مضامین اور نظموں کی فہرست شامل ہے ۔

1- حیات اقبال
ادارہ
2- سیرت اقبال کی جھلکیاں پروفیسر طاہر فاروقی
3- محرم راز درونِ مئے خانہ طالب ہاشمی
4- نوجوانوں کا اقبال(نظم) ابولاثر حفیظ جالندھری
5- قرآن اور اقبال پروفیسر خالد بزمی
6- عشق رسول اور اقبال عابد نظامی
7- اقبال کا نظریہ محبت پیر محمد کرم شاہ
8- اقبال کا نظریہ فقر محمد احمد نظامی
9- اقبال کا مرد مومن ضیاء الحسن فاروقی
10- اقبال کا نظریہ پاکستان پروفیسر محمد سعود احمد
11- دوری اور حضوری ابولاثرحفیظ جالندھری
12- مرشد عرفاں(نظم) حافظ مظہر الدین
13- علامہ اقبال یادیں اور ملاقاتیں نواب مشتاق خاں
14- سرمایاداری اور اشتراکیت اوراقبال پرو فیسر رحیم بخش شاہین
15- مغربی نظام تعلیم پر اقبال کی تنقید پرو فیسر رحیم بخش شاہین

ماہنامہ" ضیاےحرم "خصوصی شمارہ نومبر 1977 میں شامل فاضل مضمون نگاروں نے فکراقبال کےمختلف گوشوں کو منظر عام پر لانے کی سنجیدہ کوشش کی ہے ۔ مدیر اعلیٰ پیر کرم شاہ کے مطابق چونکہ اس شمارے میں صرف عام فہم اور مفید مضامین کو شامل کیا گیا ہے ۔ اس لیے اس باب میں رسالہ میں پیش کردہ مضامین کا مجموعی تنقیدی جائزہ پیش کیا جائے گا ۔

سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ:

اقبال شناسی پر مختلف مجلات میں تحقیقی کام ہو چکا ہے مثلا "مجلہ ماہنامہ فیض الاسلام کی اقبال شناسی " اقبال شناسی میں روز نامہ امروز کا کردار "روز نامہ نوائے وقت کی اقبال شناسی"مجلہ اقبال ریویوحیدر آباد دکن کی اقبال شناسی کا جائزہ "مجلہ المعارف کی اقبال شناسی

"وغیرہ لیکن ماہ نامہ ضیائے حرم کی اقبال شناسی پر کسی قسم کا تحقیقی کام محقق کی نظروں سے گزرا ۔لہذا اس آرٹیکل میں "ماہنامہ ضیائے حرم کی اقبال شناسی پر کام کیا جائے گا ۔

حیات اقبال پر ایک طائرانہ نظر (ادارہ)

زیر نظر ماہنامہ " ضیاےحرم " کے خصوصی شمارے میں شامل پہلامضمون"حیات اقبال پر ایک طائرانہ نظر"ہے ۔ یہ مضمون 13 صفحات پر مشتمل ہے ۔ جس میں حیات اقبال پر سرسری نظر ڈالی گئی ہے ۔ یہ مضمون انتہائی سادہ اور عام فہم زبان میں مرتب کیا گیا ہے ۔ اقبال کی زندگی کے مختلف مراحل کو قارئین کے سامنے پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے ۔ علامہ اقبال کے آبائی وطن آباؤ اجداد ولادت اور ابتدائی تعلیم و تربیت کے متعلق درست قسم کی معلومات بیان کی گئی ہیں۔ علامہ اقبال کی لاہور آمد اور شاعری کی محفل میں شرکت اوراقبال کی ان محافل میں دلچسپی کو خوبصورت پیرائے میں بیان کیا گیا ہے ۔چونکہ اقبال شعری ذوق بچپن سے ہی رکھتے تھے ۔ اور میرحسن کی شاگردی میں انھوں نے گلستان "بوستاں " سکندر نامہ انوار سہیلی اور تصانیف زہوری جیسی ادبی تصانیف پڑھائی تھیں۔ جنہوں نے اقبال میں ایک سلجھا ہوا شعری ذوق پیدا کر دیا تھا ۔ جس کا اظہار اقبال نے لاہور کی ادبی محافل میں کیااس ضمن میں مضمون نگار لاہور کی ادبی مجالس میں اقبال کے ابتدائی کلام کے متعلق رقمطراز ہیں :

"حصول تعلیم کے ساتھ ساتھ اقبال علمی وادبی محفلوں میں بھی جاتے رہتے تھے ۔ چونکہ فکری شاعر تھے اس لیے شعروشاعری سے شروع سے ہی لگاؤ تھا ۔ شمس العلماء میر حسن کی رہنمائی نے ان کے شعری ذوق کو چمکا دیا تھا۔ لاہور کے مشاعروں میں شرکت سے آپ کے جو ہر مزید نمایا ں ہونے لگے ۔ ایسے ہی ایک مشاعرے میں اقبال نے غزل سناتے ہوئے جب یہ شعر پڑھا ۔

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لیے قطرے جو تھے میرے عرق انفال کے

تو محفل مشاعرہ میں موجود مشہور شاعر ارشد گور گانی بے ساختہ پکار اٹھے اقبال اس عمر میں یہ شعر ؟ یہ پہلا موقع تھا کہ جب اہل لاہور کی نگاہیں اقبال کی طرف متوجہ ہوئیں اب اقبال لاہور کے اصحاب زو ق کی محفلوں میں شرکت کرنے لگے ۔ "(۲)

بقول مضمون نگار اقبال کی شاعری کو شہرت کی بلندیوں پر انجمن حمائت اسلام کے جلسے لے گئے۔ جس میں اقبال نے بہت سی نظمیں پڑھیں اس طرح اقبال کے مداحوں میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ۔ لیکن جس نظم نے اقبال کو آسمان شہرت کی سیر کرائی وہ نالہ یتیم تھی۔ اس حوالے سے فاضل مضمون نگار اپنے مضمون میں یوں لکھتے ہیں

"یوں تو انجمن کے سالانہ جلسوں میں آپ نے بہت سی نظمیں پڑھیں لیکن جس نظم نے آپ کی شہرت کو چار چاند لگائے وہ نالہ یتیم تھی ۔ جو آپ نے 1899 میں مولانا نظیر احمد دہلوی کی زیر صدارت اجلاس میں پڑھی اقبال جب یہ نظم پڑھ رہے تھے تو حکمت اقبال کے مرتب مولوی عبدالرزاق کے بقول حاضرین جلسہ ہمہ تن گوش تھے ۔ ان کی آنکھیں اشک بار تھیں ان پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری تھی یہ نظم سراپائے سوزو گداز اور مجسم دردو تاثیر ہونے کے باعث خاص و عام میں اس طرح مقبول ہوئی کہ ایک دفعہ پڑھی جانے سے تسلی نہ ہوئی اکثر بند بار بار پڑھوائے گے۔"(۳)

فاضل مضمون نگار نے علامہ کی تعلیم ملازمت سفر یورپ اور قیام یورپ کے حولے سے اساتذہ اور تعلیمی اداروں جہاں وہ زیر تعلیم رہے کا ذکر سعی طور پر کیا ہےاس سارے سفر میں سید میر حسن کے بغیر اقبال کے اساتذہ میں جو شخصیت نمایا ں نظر آتی ہے وہ پروفیسر آرنلڈ ہے جن کی یاد میں اقبال نے نظم نالہ فراق لکھی اس کے علاوہ مضمون نگار وطن واپسی اور فکر معاش کے

حوالے سے معلومات قلم بند کرتا ہے ۔ علامہ اقبال کی مجلس قانون ساز کی رکنیت کے حوالے سے لکھتے ہیں ۔

"دوستوں کے بہم اصرارپر مجبورو 1926 میں پنجاب کی مجلس قانون ساز کی رکنیت کے لیے انتخاب میں حصہ لینے پر امادہ ہوئے علامہ اقبال اپنے مدمقابل ملک دین محمد کے مقابلے میں واضح اکثریت سے کامیاب ہو گے ۔ اور تین سال تک مجلس قانون ساز میں مختلف مسائل کے سلسلہ میں عوام کی ترجمانی کرتے رہے ۔ پسماندہ طبقوں کی بہتری اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے آپ نے بیش بہا خدمات سرانجام دیں ۔ علامہ کی عملی سیاست کا یہ دور آج کل کے سیاست دانوں کے لیے ایک نمونہ ہے ۔"(٤)

صاحب مضمون نے علامہ اقبال کے سفر جنوبی ہند خطبہ الہٰ آباد ، گول میز کانفرنس افغانستان میں سید سلمان ندوی اور سرراسسعودکی ہمراہی میں سفر کو بھی نہائیت مختصر انداز میں پیش کیا ہے اس کے ساتھ ساتھ علامہ کے علالت کے ایام میں علامہ کے دل میں رہ جانے والے عزائم کا ذکر کرتے ہیں۔ بقول مضمون نگار 21 اپریل 1938ء کو حضرت علامہ اس دنیا سے رخصت ہوئے ۔ نام ور شخصیات نے آپ کی وفات پرتعزیتی بیانات جاری کیے۔ لیکن فاضل مضمون نے اپنے مضمون میں صرف قائداعظم کا ہدئیہ عقیدت سپرد قلم کیا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :

"سر محمد اقبال اسلام کے قابل احترام فرزندوں میں سے ایک تھے ۔ وہ خدا شناس درویش، فلسفی اور مفکر تھے۔ ایک عملی سیاست دان کے لحاظ سے بھی وہ کچھ کم حیثیت کے مالک نہیں تھے۔ بے شک وہ عظیم محب وطن تھے اور آج ہندوستان کی ایک عظیم ترین ہستی ہم سے جدا ہوگئی ہے۔"(٥)

فاضل مضمون نگار نے انتہائی سادہ اور سلیس انداز میں حیات اقبال کے چیدہ چیدہ گوشوں کو اپنے مضمون کی زینت بنایا ہے۔ مضمون کو پراثر بنانے کیلئے اقبال زندگی کےمختلف ادوار میں جہاں جہاں بھی گئے جو مکاں ان کے زیر استعمال رہے اور جن تاریخی اداروں میں وہ زیر تعلیم رہے ان کی تصاویر بھی شامل مضمون کی ہیں۔مجموعی طور پر مضمون حیات اقبال کو مختصراً سمیٹنے کی اچھی کوشش ہے۔

سیرت اقبال کی چند جھلکیاں (پروفیسر محمد طاہر فاروقی)

زیر نظر مضمون"سیرت اقبال کی چند جھلکیاں"ماہنامہ"ضیاےحرم"کےخصوصی شمارے اقبال نمبر میں شامل دوسرا مضمون ہے۔ یہ مضمون آٹھ(08) صفحات پر مشتمل ہے۔مضمون نگار پروفیسر طاہر فاروقی ہیں۔ فاضل مضمون نگار نے حضرت علامہ محمد اقبال کی سیرت کے خدوخال ،مزاج،عادات وخصائل کے حوالے سے اجمالا جائزہ لیا ہے۔انہوں نے ابتداء سے آخر تک مضمون میں سادہ انداز بیان اپنایا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ اقبال اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ لوگوں سے ملنے جلنے میں بہت ملسنار،نرم، خو اور خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ ایک اچھے انسان کے تمام اعلیٰ صفات جیسا کہ ضبط نفس، مستقل مزاجی،حوصلہ،تحمل بردباری،ثابت قدمی وغیرہ ان میں درجہ اتم موجود تھے۔ اقبال اخلاق حسنہ پر کار بند اور اخلاق رذیلہ سے سخت نفرت کرتے تھے۔ چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کا احترام ملازمین سے نرمی ان کی طبیعت کا خاصہ تھی۔وہ بہت خوش گفتار اور خوش طبع تھے۔اور فقرہ بندی، لطیفہ گوئی اور داستان گوئی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔پروفیسر محمد طاہر فاروقی اپنے مضمون میں اقبال کی حس مزاح اور خوش طبعی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پنجاب کے جلیل القدر ارباب سیاست میں چودھری سر شہاب الدین کی شخصیت بہت ممتاز تھی۔ آپ بڑے قابل وکیل اور نہایت گراں ڈیل اور بالا بلند آدمی تھے اور کھانے پینے میں دور دور تک اپنا حریف نہ رکھتے تھے۔ علامہ صاحب تقریباً ہر ملاقات میں ان پر ایک آدھ پھبتی کہہ دیتے

اور اگر وہ برا مانتے تو کہتے کہ تمہیں دیکھتے ہی مجھ پر لطیفوں کی آمد شروع ہو جاتی ہے۔چودھری شہاب الدین بلدیہ لاہور کے صدر منتخب ہوئے ۔ اسی زمانے ہر ہائی نیس سر شجاع الملک مہتر چترال لاہور تشریف لائے۔ نواب سر ذولفقار علی خاں کے ہاں پرتکلف دعوت دی گئی اور نواب صاحب نے علامہ اقبال سے کہا کہ آپ ہز ہائی نس سے مقامی معززین کا تعارف کراد یجئے۔علامہ اقبال تعارف کرانے لگے۔ جب چودھری صاحب کی باری آئی تو کہا: اعلیٰ حضرت! این خان بہادر چودھری شہاب الدین صدر بلدیہ لاہور ہستند۔ گویا کہ مہتر لاہوری باشند محفل میں ایک قہقہہ لگا۔ چودھری صاحب جل کر کوئلہ ہو گئے۔"(۶)

مزاجاً علامہ صاحب نہایت سادہ انسان تھے۔بڑے انسان ، ارباب اقتدار اور احباب علم و دانش کا آپ کے پاس آنا جانا تھا لیکن اس کے باوجود آپ کے ہاں سادگی غالب تھی۔ کبھی گاؤ تکیہ، قیمتی سازو سامان کی طرف توجہ نہیں کی بلکہ عام سی چار پائی پر ٹیک لگائے بیٹھے رہتے اور حقہ پیتے رہتے ۔ انتہائی سادہ لباس زیب تن کیا ہوتا تھا عموماً بنیان اور تہمد میں نظر آتے ۔ دروازے پر کبھی دربان نہیں بٹھایا ہر خاص و عام ان کی صحبت میں بیٹھ کرسنتا تھا کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ا لغرض آپ سادگی کا ایک مجسم نمونہ تھے۔اس ضمن میں مضمو ن نگار پروفیسر محمد طاہر فاروقی علامہ اقبال کی سادگی کا واقعہ مولانا مودودی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"پنجاب کے ایک دولت مند رئیس نے ایک قانونی مشورہ کے لیے علامہ اقبال اور سر فضل حسین اور ایک دو اور مشہور قانون داں اصحاب کو اپنے ہاں بلایا اور اپنی شاندار کوٹھی میں ان کے قیام کا انتظام کیا۔ رات کو جب اقبال اپنے کمرے میں آرام کر نے کے لیے گئے تو ہر طرف عیش و تنعم کے سامان دیکھ کر اور اپنے نیچے نہات نرم اور قیمتی بستر پا کر محاً ان کے دل میں خیال آیا کہ جس رسول پاکؐ(فداہ امی و امی) کی جوتیوں کے صدقے میں آج ہم کو یہ رتبے نصیب ہوئے ہیں۔ اس نے بوریے پر سو کر زندگی گزاری تھی۔ یہ خیال آنا تھا کہ آنسوؤں کی جھڑی بندھ ہوگئی۔اس بستر پر لیٹنا ان کے لیے ناممکن ہو گیا۔ اٹھے اور برابر کے غسل خانے میں جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور مسلسل رونا شروع کر دیا ۔جب ذرا دل کو قرار آیا تو اپنے ملازم کو بلا کر اپنا بستر کھلوایا اور ایک چار پائی اس غسل خانے میں بھجوائی اور جب تک وہاں مقیم رہے غسل خانے ہی میں سوتے رہے۔"(۷)

علامہ صاحب طبعاً نفیس انسان تھے اور نفاست کو پسند کرتے تھے۔ غذاؤں میں خوش ذائقی اور لطافت کا خاص خیال رکھتے تھے۔ لیکن اس سب کے باوجود قناعت پسند اور اللہ پر توکل کرنے والے تھے۔ علی بخش ابتدا میں اچھا باورچی نہیں تھا ۔ داجی سا کھانا بنایا کرتا تھا۔لیکن علامہ صاحب نے کبھی منہ نہ بنایا بلکہ صبر و شکر کے ساتھ نوش فرماتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ علامہ صاحب ایک مطئمن اور پر سکون دل کے مالک تھے۔ کبھی پریشانی یا آفت کی صورت میں گھبراتے نہیں تھے بلکہ پر سکون رہتے اور دوسروں کو بھی اطمینان دلاتے ایک دفعہ بقول علی بخش زلزلہ میں بھی پر سکون ہو کر کتاب کے مطالعہ میں مگن رہے ایسے اطمیان اور سکون کی دولت بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ میں درویشانہ اور قلندرانہ صفات موجود تھیں۔فقرغیور کی طرف اشارے ان کے کلام میں بھی نظر آتے ہیں۔ اس بات سے انکار نہیں کہ ان کی حیات معاشی مسائل سے دوچار رہی اس کے باوجود بھی اپنی خودداری کو قائم رکھا اور شیشہ غیرت کو کبھی ٹوٹنےنہیں دیا۔ علامہ صاحب کی خودداری و غیرت مندی کے ضمن میں فاضل مضمون نگارنے ایک واقعہ درج کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ایک دفعہ سر اکبر حیدری صدر اعظم حیدر آباد دکن نے آپ کو توشہ خانے سے ایک ہزار روپے کا چیک بھیجا۔ چونکہ یہ دوستانہ تحفہ نہ تھا، بلکہ یہ روپیہ ایک ایسے فنڈ سے بھیجا گیا تھا

جس کا لینا علامہ کی غیرت کسی طرح منظور نہ کر سکتی تھی۔ اس لیے آپ نے چیک واپس کر دیا اور یہ شعر لکھ بھیجے:

تھا یہ فرمان الٰہی کہ شکوہ پرویز
دو قلندر کو ہیں اس میں ملوکانہ صفات
مجھ سے فرمایا کہ لے اور شہنشاہی کر
حسن تدبیر سے دے آنی وفانی کو ثبات
میں تو اس بار امانت کو اُٹھاتا سردوش
کام درویش میں ہر تلخ ہے مانند بنات
غیرت فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول
جب کہااس نے یہ ہے میری خدائی کی زکات
(۸)

فاضل مضمون نگار نے حضرت علامہ کی حب رسول ﷺ کے حوالے سے مختلف واقعات کو سپرد قرطاس کیا ہے۔ علامہ کی سحر خیزی کی عادت پر مختلف واقعات کے ذریعے روشنی ڈالی ہے کہ علامہ صاحب صبح خیزی کے پابند تھے بلکہ جب آپ یورپ تشریف لے گئے تو بھی آداب سحر خیزی کو بجا لاتے رہے ۔ وہ بتاتے ہیں کہ علامہ صاحب ایک نڈر حق گو اور بے باک انسان تھے۔ دنیا کی فسوں سازی، ملمع کاری اور علائق دنیا کی کبھی پروا نہیں کرتے تھے بے باکی کا دامن کبھی نہیں چھوڑا۔ مشکل سے مشکل وقت میں بھی کلمہ حق کہنے سے گریز نہیں کیا۔ پروفیسر محمد طاہر فاروقی علامہ کی راست گوئی اور بے باکی کا واقعہ نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"علامہ اقبال کو سر کا خطا ب ملا تو مہر غلام بھیک نیرنگ نے مبارکباد کا خط لکھا اور دبے لفظوں میں اس خدشے کا اظہار کیا کہ اب حق گوئی و بے باکی میں شاید کمی آئے۔ علامہ نے جواباً لکھا: میں آپ کو اس اعزاز کی خود اطلاع دیتا، مگر جس دنیا کے میں اور آپ رہنے والے ہیں، اس دنیا میں اس قسم کے واقعات احساس سے فروتر ہیں۔ سیکڑوں خطوط اور تار آئے اور آرہے ہیں اور مجھے تعجب ہے کہ لوگ ان چیزوں کو کیوں گراں قدر جانتے ہیں۔ باقی رہا وہ خطرہ جس کا آپ کے قلب کو احساس ہوا ہے۔ سو قسم ہے اس رب ذوالجلال کی جس کے قبضے میں میری جان اور آبرو ہے اور قسم ہے اس بزرگ و برتر وجود کی جس کی بدولت مجھے خدا پر ایمان نصیب ہوا اور مسلمان کہلاتا ہوں۔دنیا کی کوئی قوت مجھے حق کہنے سے باز نہیں رکھ سکتی۔ انشاء اللہ **!**" (۹)

اس مضمون میں پروفیسر محمد طاہر فاروقی نے علامہ اقبال کی سیرت و کردار کے چند گوشوں کی نقاب کشائی کی ہے۔ اور بہت خوش اسلوبی سے علامہ کے مزاج، طبعی خدو خال، خوش طبعی، عادات و خصائل پر سیر حاصل گفتگو ہے۔ مجموعی طور پر ان کا مضمون اقبال شناسی میں خشت اول کا درجہ رکھتا ہے۔

محرمِ راز درون میخانہ:(مرتبہ: طالب ہاشمی)

زیر نظر مضمون"محرم راز درون میخانہ" ماہنامہ"ضیاےحرم" خصوصی شمارے اقبال نمبر کا تیسرا مضمون ہے۔ جو صرف چار صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کو طالب ہاشمی نے مرتب کیا ہے۔ یہ مضمون سات مختلف روایات پر مشتمل ہے۔ جن میں اقبال اسلام کا پیامی، سرور کا ایک شعر، مخلوط تعلیم، مومن کو بے مثال ہونا چاہئے، خُدا کی ہستی، مشاہدہ حق اور مرد خود آگاہ شامل ہیں۔ علامہ اقبال کی حکمت مشرق و مغرب میں اپنا آپ بنوا چکی ہے۔ لیکن ان کی شاعرانہ اور ادبیات فن کاری مکمل محاکمہ نہیں ہو سکا۔ اس طرح اقبال کے فن پر اہل فن کے بیان پر بہت لے لے دے ہوئی۔ نقادان فن نے علامہ کے اشعار میں معائب کلام نکالے جن پر اقبال نے وضاحتیں بھی دیں

اور کہیں کہیں اپنی غلطیوں کو تسلیم بھی کیا ۔ اس ضمن میں اقبال نے کبھی اہل زبان ہونےکا دعویٰ نہیں کیا۔ ان کے بقول میں پنجاب کارہنے والا ہوں دہلی اور لکھنؤ کا نہیں۔ میں شاعر نہیں بلکہ اسلام کا پیامی ہوں۔ میں تو اپنے درد کو الفاظ کا روپ دے کر مسلمانوں تک پہنچاتا ہوں۔ میرا نہ تو زبان دانی دعویٰ ہے اور نہ ہی شاعرانہ عظمت کا متمنی ہوں بلکہ میں جو کچھ دیکھتا ہوں محسوس کرتا ہوں رقم کر دیتا ہوں۔ اس ضمن میں ایک اقتباس دیکھئے:

" میری آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے اگر میرے نقاد اس کادسواں حصہ بھی دیکھ لیں تو شاید دماغی توازن برقرار نہ رکھ سکیں اور دیوانہ وار دیواروں پر سر مارنے لگیں۔ جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ پورا کہہ بھی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ زبان کا دامن تنگ ہے اور ان مضامین کا متحمل نہیں جو میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اسی لئے جب اردو جواب دے دیتی ہے تو فارسی میں کہتا ہوں۔ جب وہ بھی جواب دے دیتی ہے، تو انگریزی میں لکھتا ہوں۔ کاش میرے نقاد الفاظ سے گریز کر کے معانی اور مطالب پر غور کریں اور مجھ کو بجائے شاعر سمجھنے کے اقبال اسلام کا پیامی سمجھیں۔"(۱۰)

حضرت علامہ محمد اقبال کبھی بھی مخلوط تعلیم کے حامی نہیں رہے۔ آپ نے ہمیشہ مخلوط تعلیم کی مخالفت کی ہے ان کے نزدیک مسلمان عورت کے لیے حجاب ضروری ہے۔ مسلمان عورت کی عظمت و بڑائی پردے میں ہے۔ اور آج کے دور میں مسلمانوں کی موجودہ بے حسی و ذلت کی بڑی وجہ بے پردگی کو ہی گردانتے تھے۔ اس ضمن میں ایک صحافی کاواقعہ بیان کرتے ہیں جب مخلوط تعلیم کا ریزولیوشن پاس ہوا اوراس کی خبر علامہ صاحب کو ملی تو آپ نے انتہائی غصے کا اظہار کیااور اس ریزولیوشن کو مسلمانوں کی ذلت سے تعبیر کیا۔ اس ضمن میں ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"ایک صاحب بائیسکل پر ہانپتے کانپتے آئے ، وہ کسی روزنامہ کے رپورٹر تھے، انہوں نے حضرت علامہ کو سلام کیا اور کرسی پر بیٹھ گئے۔ کہاں سے آرہے ہو؟ چودھری محمد حسین نے پوچھا۔ ڈاکٹر صاحب ! آج خلیفہ صاحب نے سینٹ میں مخلوط تعلیم کا ریزولیوشن پاس کروا لیا ہے۔ اخباری نمائندے نے جواب دیا۔ یہ سنتے ہی حضرت علامہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ آپ پلنگ پر بڑے زور سے ہاتھ مار کر بولےآج مسلمانوں کی ذلت پر مہر لگا دی گئی ہے۔"(۱۱)

حضرت علامہ بہت بڑے فلسفی تھے۔ آپ نے مشرق و مغرب کے بلند پائیہ فلاسفروں سے اکتساب فیض کیا اور ان کا گہرا مطالعہ کیا۔ اس سب کے باوجود علامہ اپنی شاعری میں اللہ تعالیٰ اور وجود خدا کا ذکر غیر فلسفیانہ انداز میں کرتےتھے۔ وجود خُدا پر حضرت علامہ نے ہمیشہ خوش اعتقادی اور خوش عقیدگی کا اظہار کیا ہے۔ ایک مجلس میں ممتاز حسن مرحوم اسی موضوع کے متعلق حضرت علامہ محمد قبال سے وجود خُدا کے حوالے سے سوال کرتے ہیں۔جس کا جواب حضرت علامہ یوندیتے ہیں:

" علامہ نے فرمایا! خُدا کے متعلق پوچھتے ہو؟ میں نے اسے دیکھا ہے۔

پھر آپ زیر لب مسکرائے اور تھوڑے سے تو قف کے بعد مزید فرمایا:

"انسان کی زندگی میں ایسے مقامات آتے ہیں جب وہ خدا کو دیکھ سکتا ہے۔ لیکن یہ لمحے کم نصیب ہوتے ہیں۔

اور کچھ توقف کے بعد پھر فرمایا: بہت ہی کم۔

ممتاز صاحب نے دریافت کیا: کیا ہر شخص کے لیے خُدا کا مشاہدہ ممکن ہے؟

علامہ نے فرمایا: یہ دروازہ کسی پر بند نہیں، لیکن جو شخص مشاہدے کا طالب ہو، اسے میر اور انتظار لازم ہے۔"(۱۲)

حضرت علامہ محمد اقبال ایک فقیر صفت اور مرد درویش تھے۔ فقیر کا مفہوم علامہ صاحب نے حیات نبی ﷺ سے اخذ کیا تھا۔ نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ فقیر کی عملی تفسیر ہے۔ حضور ﷺ

نے کبھی مال وزر جمع نہیں کیا بلکہ جو کچھ ہوتا تقسیم کر دیتے۔ حضرت علامہ کو نبی کریم ﷺ سے عشق تھا۔ لہذا یہ ممکن ہی تھا کہ وہ فقیر کا مفہوم حضور ﷺ کی ذات اقدس سے ہٹ کر کہیں اور سے لیتے یا اکتساب فیض کرتے۔ اس لیے حضرت علامہ کے یہاں فقیر غیور کی اصطلاح غیر مسلم فقر کے معکوس کے طور پر استعمال کی ہے۔ فقر غیور اور غیر اسلامی فقر دو متحارب رویے ہیں جو کبھی ایک دوسرے کو دریا کے کناروں کی طرح کبھی ایک دوسرے کو قطع نہیں کرتے۔ فاضل مضمون نگار اس ضمن میں ایک واقعہ درج کرتے ہیں کہ ایک درویش حضرت کے پاس آئے اور گفتگو کرنے لگے۔ جس میں حضرت علامہ کی بصیرت اور درویشی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ آپ کس حد تک معرفت رکھتے تھے۔ اس حوالے سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"سائیں جی نے پوچھا تو پھر رب سے ملا قات کرناچا ہتے ہو۔ "

اس پہ حضرت علامہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ فرمانے لگے:

"رب سے ملنا؟ سائیں جی رب رب کرو۔ میں اس سے کیونکر مل سکتا ہوں۔ میں بندہ وہ رب ۔ میرا اس کا واسطہ صرف بندگی کا ہے۔ ملنا کیا معنی ؟ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ خدامجھے ملنے آرہا ہے تو میں بیس کوس دور بھاگ جاؤں ، اس لئے کہ دریا قطرے سے ملے گا تو قطرہ غائب ہو جائے گا۔میں قطرے کی حیثیت سے قائم رہنا چاہتا ہوں اور اپنے آپ کو مٹانا نہیں چاہتا۔ بلکہ قطرہ رہ کر اپنے آپ میں دریا کے خواص پیدا کرنا چاہتا ہوں۔"(۱۳)

نوجوانوں کا اقبال(ابوالاثر حفیظ جالندھری)

"نوجوانوں کا اقبال" ماہنامہ"ضیاےحرم" میں شامل نظم ہے۔ جو ابوالاثر حفیظ جالندھری کی تخلیق ہے۔ یہ نظم بھی اقبال شناسی کے حوالے سے اپنا الگ مقام رکھتی ہے۔ حفیظ جالندھری پاکستانی قومی ترانے کے خالق اور سرزمین پاک کا ایک روشن ستارہ ہیں۔ ارض وطن کی محبت سے سرشار ادبی دنیا کا یہ علمبردار سپاہی ہجرت کر کے لاہور میں مقیم ہوا۔ تحریک آزادی میں حصہ لینے والا یہ معروف نام ملک و ملت کی خدمت کرتے ہوئے پاکستان آرمی میں ڈائریکٹر جنرل اور صدر محمد ایوب خان کے ساتھ ڈائریکٹر رائیٹر گلڈ اپنی خدمات سر انجام دیتا رہا۔ مولانا غلام قادر بلگرامی جیسے استاد فن کے تلامذہ میں شمار ارض وطن کے اس نامور شاعر نے اپنی یاد گار تصنیف"شاہنامہ اسلام" میں اسلامی تاریخ کو منظوم رقم کیا۔ انہوں نے شاعری میں مذہبی تصورات کے ساتھ ساتھ حب الوطنی جیسے احساسات کو فروغ دیا۔ ان کی رومانوی شاعری سے ماحول اور نئے رنگوں سے مزین ہے۔ حفیظ جالندھری نے متعدد نظمیں لکھیں۔ ان کی شاعری کا بیشتر حصہ غزل اور گیت پر مشتمل ہے۔ موصوف نےاپنی نظم"نوجوانوں کا اقبال" کے عنوان سے لکھی ہے۔ جوماہنامہ"ضیاےحرم" کے خصوصی شمارے اقبال نمبر میں چھپی ہے۔ یہ ایک مختصر نظم ہے جو صرف سات اشعار پر مشتمل ہے۔ اس نظم میں اقبال کے فکراور شخصیت کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اے مری ملت کے نوجوان تم علامہ اقبال کی شخصیت اور پیغام سے رہنمائی حاصل کرو۔ جو دنیاوی مقام و مرتبہ کا طلب گار نہیں تھا بلکہ پیارے نبی ﷺ کی تعلیمات کا مبلغ تھا۔ اس نے آساں اور پر اثرالفاظ کے ذریعے سیدھا راستہ دکھایا۔ انہوں نے فقیرانہ زندگی بسر کی اور آدم کو زیور آدمیت سے آراستہ کیا۔ انہوں نے نے فرقہ بندی میں بٹی ہوئی قوم کو انسانیت کے مقام و مرتبہ سے آشنا کیا۔ شاعر کہتاہے کہ جن نوجوانوں نے اقبال کی تعلیم کو پیش نظر رکھا انہوں نے دنیا میں عظیم مثالیں قائم کیں۔ اور امید ہے کہ تم اقبال کے پیغام کے پاسبان بن کر ایک نئی تاریخ رقم کرو گے۔ نظام ملاحظہ ہو۔ :

نوجوانوں کا اقبال:

قیادت کا تمنائی نہ شیدائی تھا مسند کا
مرا اقبال آئینہ تھا آئین محمد ﷺ کا

تم اس کو فلسفے کی موشگافی میں نہ الجھاؤ
وہ سیدھی راہ پر تھا تم بھی سیدھی راہ پر آؤ
تجدد کی تعلی تھی نہ دعویٰ مہدویت کا
مبلغ تھا نظام احترام آدمیت کا
ابھی اندازہ ہو سکتا نہیں اس کی بلندی کا
ملت کی آنکھوں پر ہے پردہ فرقہ بندی کا
مگر میرے تصور میں ہیں چہرے نوجوانوں کے
جنہیں اقبال نے بخشے ہیبازو قہر مانوں کے
بڑھیں گے یہ جواں اقبال کے پیغام کو لے کر
تو مشرق و مغرب پر چھائیں گے اسلام کو لے کر
نئی تاریخ لکھی جائے گی دنیائے ہستی کی
ہوا ہو جائے گی آلودگی پیکر پرستی کی
(۱٤)

قرآن اور اقبال(پروفیسر خالد بزمی)

زیر نظر مضمون چھ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں اقبال کی قرآن فہمی اور قرآن میں دلچسپی اور لگن کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ قرآن انسانیت کے نام اللہ رب العزت کا آخری پیغام ہے اور ایک مکمل نظام حیات ہے۔ حضرت علامہ اس حقیقت کو بخوبی سمجھتے تھے۔ اس لیے اقبال کےافکار ونظریات، شاعری، خطوط اور نجی محفلوں میں قرآن کے متعلق بڑی مدلل بخشیں ملتی ہیں۔ جن کو اقبال کی قرآن شناسی کی دلیل سمجھا جا سکتا ہے۔ قرآن فہمی اور قرآنی تعلیمات پر اقبال کے عبور اور دسترس ان کی تحریر، گفتگو اور شاعری میں جابجا ملتی ہیں۔ فکر اقبال کے ماخذ کو بہ نظر غائر دیکھا جائے تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ان کے افکار و نظریات قرآن سے ہی ماخود ہیں۔ اقبال نے قرآن سے ہی اکتساب فیض کیا ہے۔ اقبال کےدوستوں ، ان کی مجلس میں بیٹھنے والے احباب فلاسفرز اور طالب علموں سے گفتگو کرتے ہوئے اقبال قرآن کے دقیق ترین مسائل کو بڑی آسانی ، عام فہم انداز میں بیان کرتے ہیں۔ اس سے ان کی علمی حیثیت واضح ہو جاتی ہے۔ حکیم طالب علی نے سورۃ النجم کے پہلے رکوع کی وضاحت پوچھی تو آپ نے ایک فصیح وبلیغ تقریر کی اور"کان قاب قوسین او ادنیٰ" کی تفسیر کو اپنے رنگ میں بیان کیا جو ان کی علمی حیثیت کی دلیل ہے۔ حالانکہ اس آیت پر بڑے بڑے آئمہ تفسیر الجھ کر رہ جاتے ہیں علامہ صاحب کی گفتگو کا خلاصہ ملاحظہ کیجئے:

"ناسوت و لاہوت یا عقل و وحی یا عالم بشریت و عرش الوہیت کو دو کمان نما دائروں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ بشری عقل کا انتہائے کمال یہ ہے کہ وحی سماوی سے کامل مطابقت حاصل کر لے۔ یعنی اس ترقی یافتہ عقل کے رباب سے بعض اوقات جو نغمہ نکالتا ہے وہ ساز الہام سے ہم آہنگ ہوتاہے۔ اسی طرح سے یہ دو کمان کامل اتصال کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ نوع انسان میں انبیاء بالعموم اور انبیاء میں حضرت خاتم النبین ﷺ بالخصوص اس مقام کے آخری نقطہ سے واصل ہوئے ہیں"(۱۵)

مندرجہ بالا اقتباس سےیہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علامہ قرآن مجید کا فہم و ادراک کس درجے کا رکھتے تھے۔ اس طرح قرآن کے بارے میں مختلف آیات کے مطالب اورمفاہیم کے حوالے سےحضرت علامہ سےسوالات کیئے گئے اور علامہ صاحب نے ان کے تسلی بخش اور اطمینان افزاجواب دیے لیکن یہاں اختصار مقصود ہے ایک مکالمے میں اقبال قرآنی ذرائع علم کے حوالے سے یوں بیان کرتے ہیں:

"علم کے جار ذریعے ہیں اور قرآن مجید نے ان چاروں کی طرف واضح رہنمائی کی ہے۔ مسلمانوں نے ان کی تدوین کی اور دنیائے جدید اس بات میں ہمیشہ مسلمانوں کی منت کش رہے گی۔
پہلا ذریعہ"وحی" ہے اور وہ ختم ہو گیا۔
دوسرا ذریعہ"آثار ، قدماء و تاریخ ہے" جس پر آیات قرآن متوجہ کر رہی ہیں۔
"سیر و افی الارض"اس آیت نے"علم آثار" کی بنیاد رکھ دی۔ اس پر مسلم مصنفین نے عالی شان قصر تعمیر کئے۔
"ذکر بایام اللہ "یہ آیات مجیدتاریخ کا ابتدائی نقطہ ہے، جس نے ابن خلدون جیسے محقق پیدا کئے۔
"علم کا تیسرا ذریعہ علم النفس ہے جس کا آغاز"و فی انفسکم افلا تبصرون"سے ہوتا ہے۔ اس کو حضرت جنید اور ان کے رفقاء و اتباع نے کمال تک پہنچایا۔ آخری ذریعہ صحیفہ فطرت ہے جس پر قرآن مجید کی بے شمار آیات دلالت کر رہی ہیں۔ مثلاً الی الارض کیف سطحت اس علم پر علمائے اندلس نے بہت توجہ مبذول کی۔"(۱۶)

حضرت علامہ قرآن سے دلی وابستگی رکھتے تھےاور نہایت دل جمعی، ذوق اورعقیدت سے قرآن کی تلاوت فرماتے تھے۔قرآن پر غور و خوص اور دقیق نکات پر تفکر و تدبر ان کے معمول میں شامل تھا۔ ان کے نزدیک انسان مسائل کابہترین حل قرآن کے پاس ہے اکثر احباب جو حضرت علامہ سے ملتے یا خط لکھ کر مسائل کا حل دریافت کرتے۔ آپ ان کو قرآن کی طرف رجوع کی تلقین کرتے اورقرآن فہمی کی ترغیب دیتے تھے۔ قرآن کے حوالے سے ان کی علمیت افضلیت کے اعلیٰ مقام کوچھوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ بعض احباب جو اقبال سے مکمل طور پر آگاہ نہیں وہ اقبال کو بحیثیت شاعر مانتے ہیں لیکن ان کی شخصیت کوبہ نظرغائر دیکھیں تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ شاعری کو وہ صرف وسیلہ اظہار اور ذریعہ ابلاغ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ وہ مفکر قرآن بھی تھے ان کی شاعری کا زیادہ تر حصہ اسلامی تعلیمات پر مشتمل ہے۔ حضرت علامہ ایک خط میں حکیم عرشی کو قرآن فہمی کی طرف راغب کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:
"آپ اسلام اور اس کے حقائق کی لذت سے آشنا ہیں۔ مثنوی رومی کے پڑھنے سے اگر دل میں گرمی شوق پیدا ہو جائے تو اور کیا چاہئے۔ شوق خود مرشد ہے میں ایک مدت سے مطالعہ کتب ترک کر چکا ہوں۔ اگر کبھی کچھ پڑھتا ہوں تو صرف قرآن یا مثنوی"(۱۷)

حضرت علامہ کو قرآن مجید سے بے حدمحبت تھی۔ وہ تلاوت قرآن بہ آواز بلند کرتے تھے۔ شب بیداری اور سحر خیزی ان کے معمول کا حصہ تھی۔ اور یہ اوقات قرآن کی تلاوت اور قرآن فہمی کے حوالے سے اور نورانیت رومانیت کے حوالے سے مخصوص ہیں۔ ان اوقات میں قرآن مجید کے مقدس اوراق کا انسان کی آنکھوں کے سامنے ہونا اور خوش الحانی سے مشغول ہونا نسبت محمدیہ کی تولید میں ابر باراں ثابت ہوتا ہے۔ اسی بات نے اقبال کے قلب و ذہن میں قرآن پر پختہ یقین پیدا کر دیا۔ قرآن سے محبت کےثبوت کے بے شمار مظاہر حیات اقبال اور ان کی شاعری میں جابجا ملتے ہیں لیکن محبت قرآن کا اظہار گول میز کانفرنس کے موقع پر علامہ صاحب نےکیا وہ اپنی مثال آپ ہے اس ضمن ایک اقتباس ملاحظہ ہو:
"دوسری گول میزکانفرنس کا موقع تھا۔ اقبالؒ اس میں شرکت کرنے والے تھے۔ اس موقع پر ہندوستان ٹائمز کا ایک نمائندہ ان سے ملا اور اس نے سوال کیا:
راؤنڈٹیبل کانفرنس میں آپ کیا خاص بات لے کر شریک ہو رے ہیں؟ علامہ صاحب نے جواب دیا: میرے پاس کچھ نہیں، قرآن ہے، میں اسی کو پیش کردوں گا۔ "(۱۸)

علامہ صاحب کے نزدیک قرآن صرف عزت و احترام کے ساتھ طاق کی زینت بنانے کے لیے نہیں نازل ہوا بلکہ ایک عملی چیز ہے۔ جس کو پڑھنا، تدبیر و تفکر کرنا کے اس معنی و

مفاہیم کا ادراک حاصل کرنا ہی مقصود ذات باری تعالیٰ ہے۔ اور یہی انسان کا مطمح نظر ہونا چاہئے۔ قرآن کے بارے میں اقبال کے خیالات و جذبات ذیل کے اشعار میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

فاش گوہم آنچہ در دل مضمراست
ایں کتاب ہست چیزے دیگر است
چوں بجاں در رفت ، جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد، جہاں دیگر شود
نقش قرآں تادریں عالم بہ بست
نقش ہائے کاہن و پاپا شکست (۱۹)

الغرض فاضل مضمون نگار نے اقبال اور قرآن کے حوالے سے مختصر مگر جامع مضمون قلمبند کیا ہے۔ جو ان کی قبال فہمی کی دلیل ہے اور اقبال کے حوالے سے ان کے وسیع مطالعے کا غماز ہے۔

عشق رسول ﷺ اور اقبال(عابد نظامی)

زیر نظر مضمون اقبال کے عشق رسول ﷺ پر بھرپور روشنی ڈالتاہے۔ فاضل مضمون نگار عابد نظامی نے اقبال کے عشق کے متعلق مفصل بیان کیا ہے اور ان کی اور فارسی شاعری سے نمونے نقل کر کے مدلل بحث کی ہے۔ عشق رسول ﷺ کے ترانے، وارفتگی اور محبت وشیفتگی کا اظہار تمام شعراء کے ہاں ملتاہے۔ لیکن یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ حبیب کریا، حضور سرور کائنات کی سیرت طیبہ کے اثرات ان کی عملی زندگی میں نظر آئیں، لیکن اس کے برعکس اقبال ؒ اس مقام پر نظر آتے ہیں کہ وہ محض عقیدہ پر اپنے عشق کی بنیاد نہیں رکھتے ابررحمت کا نزول ایسا ہوا ہے کہ اس دنیا و وما فیہاکی تمام کلفتیں چھٹ جائیں۔ اگر اب بھی جہاں کہیں اخلاق اعلیٰ کے دیےے روشن نظر آتے ہیں تو وہ اسی شمس الضحاء کی ضیا باری کے مرہون منت ہیں۔ آج بھی ساری دنیا آپ ﷺ کے بتائے ہوئے اصولوں کی پیروی کرےتو تمام تاریکیاں ختم ہو جائیں یہی اقبال کا مقصود بھی ہے اور تڑپ بھی اقبال نے اپنی جشت مینا سے قرآن اور سنت رسول ﷺ کے آئینوں میں محسن انسانیت کے حسن دل افزاء، اور جمال مصطفوی کا مشاہدہ کیا تو بحر عشق نبی ﷺ میں غوطہ زن ہوئے۔ اقبال کے دل میں عشق رسول ﷺ کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ اس ضمن میں ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"مولانا سالک فرماتے ہیں"ان کے گذارقلب اور رقت احساس کا یہ عالم تھا کہ جہاں ذرا حضور سرور کون و مکان ﷺ کی رافت و رحمت یا حضور ﷺ سرورکائنات کا ذکر آتا تو حضرت علامہ کی آنکھیں بے اختیار اشک بار ہو جاتیں اور دیر تک طبیعت نہ سنبھلتی ۔"(۲۰)

فاضل مضمون نگار نے مختلف واقعات سے یہ بات ثابت کیاہے کہ حضرت علامہ کا حضور اکرم ﷺ سے عشق اس درجہ پر تھا کہ جیسے ہی آپ ﷺ کا نام اقدس لیا جاتا یا سرور کائنات کا ذکر ہوتا و فور جذبات سے ان کی پلکیں آنسوؤں سے بھیگ جاتیں اس عاشقانہ کیفیت کی شہادت وہ انسان دیتا ہے جو علامہ صاحب کی زندگی میں ان کی محافل میں اٹھتا بیٹھتا رہا۔ واقعات اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ عشق رسول ﷺ کا یہ والہانہ جذبہ علامہ صاحب کے گھریلو ماحول اور تربیت کی دین ہے۔ ان کے والد ایک درویش انسان تھے اور والدہ ماجدہ بھی دیندار اور پاکیزہ طبیعت کی مالک تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ علامہ کو ایسے اساتذہ میسر آئے جو دینی تعلیمات کا مخزن تھے۔ ان سب نے ان کی قلب و ذہن پر گہرے اثرات مرتب کیئے۔ جو بعد میں ان کے کلام میں جابجا نظر آتے ہیں۔"رموز بے خودی" میں"عرض حال بحضور رحمۃ العالمین "کےعنوان سے حضرت علامہ لکھتے ہیں:

اے ظہور تو شباب زندگی
جلوہ ات تعبیر خواب زندگی
شیش جہت روشن ز تاب روئے تو
ترک و تاجک وعرب ہندوے تو
از تو بالا پایہ ایں کائنات
فقر تو سرمایہ ایں کائنات
در جہاں شمع حیات افروختی
بندگاں را خواجگی آموختی
بے تو از نابود مندیہا حجل
پیکران ایں سرائے آب و گل
تا دم تو آتشے از گل کشود
تودہ ہائے خاک را آدم نمود
زرہ دامن گر مہر وماہ شد
یعنی از نیروے خویش آگاہ شد
تا مرا افتاد برویت نطر
از اب و دام گشتہ محبوب تر(۲۱)

حضرت علامہ عرض حال میں عشق کی وسعت اور حدود و تبدد کی وضاحت کر رہے ہیں۔ اور مقام انتہاکو بڑی صراحت سے بیان کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی کا مقصد بھی واضح کر دیتے ہیں۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

تامرا افتاد بر رویت نظر
ازاب و دام گشتہ محبوب تر
عشق در من آتشے افروخت است
فرتش نادا کہ جانم سوخت است (۲۲)

حضرت علامہ اپنی زندگی میں اسی بات پر زور دیتے رہے کہ عشق حبیب کریا ہی اصل اصول اور مقصود حیات ہے۔ اگر زندگی کی حقانیت اور معرفت چاہتے ہو تو عشق رسول ﷺ سے اپنے دل کو آباد کرو۔ اے مسلمانو! حضرت محمد مصطفیٰ کی بارگاہ تک رسائی حاصل کرو، یہی اصل دین ہے اگر ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہوئے تو ضلالت و گمراہی تمہارا مقدربن جائے گی۔ حیات تولس، عشق مصطفیٰ ﷺ کا نام ہے۔ عشق اپنے آپ کو محبوب کے سپرد ہو جانا سکھاتا ہے تو اے مسلمانو ! اپنے آپ کو حضرت مصطفیٰ ﷺ کے حوالے کردو۔ یہی نجات ہے کامیابی ہے۔ عشق نبی ﷺ میں ڈوبے ہوئے نعتیہ اشعار بانگ درا کی نظم"جواب شکوہ" میں بکثرت ملتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ہو نہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو مئے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی نہ دنیا میں ہو تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا ایستادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے
دشت میں دامن کہسار میں میدان میں ہے
بحر کی موج کی آغوش میں طوفان میں ہے

چین کے شہر مراکش کے بیابان میں ہے
اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعت شان رفعناک ذکرک دیکھے
مردم چشم زمیں یعنی وہ کالی دنیا
وہ تمہارے شہدا پالنے والی دنیا
گرمی مہر کی پرورده ہلالی دنیا
عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا (۲۳)

"پروفیسر سلیم چشتی"شرح ضرب کلیم "میں اساسات کی وضاحت کرتے ہیں کہ علامہ اقبال کی مذہبی فکر کا مرکز و طور اور شاعری مرکزی نقطہ عشق رسول ﷺ ہی ہے۔ اس کا ماخذ وہ پورا ارشاد مصطفیٰ ﷺ بتاتے ہیں وہ یہ ہے۔لا یومن احد کم حت اکون احب الہ من والدہ ولدہ و الناس اجمعین""تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اپنے والدین ، اپنی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔"(۲٤)

عشق رسول ﷺ کا مطلب صرف زبانی دعویٰ محبت نہیں بلکہ عملی طور پر کامل اطاعت و اتباع کا نام ہے۔ ڈاکٹر حافظ محمد طفیل اس بات کو یوں بیان کرتے ہیں:

"حب رسول ﷺ سے مراد خاتم الانبیاء و مرسلین ، رحمت العالمین، سید الثقلین، نبی الحرمین، سرور کائنات، محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے ، عقل و شعور کی پہنائیوں اور انسانی بساط کی گہرائیوں سے محبت ، الفت، چاہت اور عظمت کا اس طرح مظاہرہ کیا جائے کہ انسان کے فکر و عمل سے حقیقت عیاں ہو کر یہ اعلیٰ وارفع ہستی ، بعداز خدا بزرگ توئی کا حقیقی مصداق ہو۔ کہ خالق کائنات اور رب العالمین کی پیدا کردہ مخلوق میں وہ سب سے عظیم اور سب سے بزرگ ہیں اور تمام فرشتے جن وانس اور دیگر مخلوق سے بلند و بالا اور عظیم تر ہیں۔"(۲۵)

حیات اقبال عشق رسول ﷺ سے عبارت نظر آتی ہے ان کےدل میں عشق نبی ﷺ کا سچا جذبہ موجود تھا کہ وہ زندگی بھر یہ جذبہ اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانوں کے قلب اذہان میں انڈیلتے رہے۔ ان کا اولین مقصد نبی کریم ﷺ کا عشق مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کرنا تھاان کی تمام کتابوں سے بجا بجا عشق رسول ﷺ کی گلکاریاں نظر آتی ہیں۔ حضرت علامہ کی کتاب"اسرار خوری" کے یہ اشعار محبت مصطفیٰ ﷺ سےسرشار ہیں اور اہل صفا و اہل محبت کے لیے قیمتی مقاع سے کم نہیں۔ اشعار ملاحظہ ہوں۔

در دل مسلم مقام مصطفیٰؐ است
آبروئے ما زنام مصطفیٰؐ است
طور موجے از غبار خانہ اش
کعبہ را بیت الحرم کاشانہ اش
کمتر از آنے ز اوتاتش ابد
کا سب افزایش از ذاتش ابد
بوریا ممنون خوا ب را حتش
تاج کسریٰ زیرپائے متش
در شبستان حر ا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید (۲٦)

حضرت علامہ کا ایک خاص انداز ہے کہ وہ باتیں مختلف کرداروں سے کرواتے ہیں۔ جاوید نامہ میں اقبالؒ ، رومی سے پیغمبری کی تعریف کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ جناب رومی اقبال کو یوں جواب دیتے ہیں:

گفت اقوام و ملل آیات اوست
عصر ہائے ماز مخلوقات اوست
از دم او ناطق آمد سنگ و حشت
ماہمہ مانند حاصل او چو کشت
پاک ساز واستخوان در یشہ را
بال جبریل دھد اندیشہ را
ہائے و ہوئے اندرون کائنات
از لب او انجم و نور و نازعات
آفتابش را زوالے نیست نیست
منکر او ا کمالے نیست نیست
رحمت حق صحبت احرار
قہر یزداں ضربت کرار او
گرچہ باقی عقل کل از ولے مرم
زانکہ او بیند تن وجاں ربہم(۲۷)

فاضل مضمون نگار نے اپنے مضمون میں اقبال کے عشق رسول ﷺ سے متعلق بہت زیادہ وضاحت سے لکھا ہےاور اس بات کو مدلل ثابت کیا ہے کہ حضرت علامہ کی عقیدت نبی اکرم ﷺ سے عشق کی منزل پر تھی۔ ان کی حیات کا گہرا ، شدید اور نہایت پائیدار جذبہ عشق رسول ﷺ ہی تھا جس پر علامہ کےتمام ذہنی ، قلبی اور فکری رشتے قائم تھے۔ مختصراً یہ کہ مسلمان اس بات کو اپنے دل میں بیٹھالیں کہ اقبال جس عشق کی بات کرتا ہے وہ اتباع رسول ﷺ ہے۔ جس کے بغیر دنیا و آخرت کی کامیابی ممکن نہیں۔ یہی بات فاضل مضمون نگار کا منتہائے نظر تھی جسکو انہوں نے خوبصورتی سے نبھایا ہے۔

اقبال کانظریہ محبت: (پیر محمد کرم شاہ (الازہر)

زیر نظر مضمون"اقبال کا نظریہ محبت" پانچ صفحات پر مشتمل مختصر مضمون ہے۔ اس مضمون کے خالق خود مدیراعلیٰ ماہنامہ"ضیاےحرم" پیر محمد کرم شاہ ہیں جنکی سخن طرازی اور جملہ سازی اپنی مثال آپ ہے۔ آپ نہایت فصیح و بلیغ زبان استعمال کرتے ہیں۔ زیر نظر مضمون بھی ان کی فصاحت و بلاعت کی عمدہ مثال ہے۔ اپنے مضمون میں وہ بتاتے ہیں کہ اقبال نے اس وقت نعرہ محبت بلند کیا جب مسلمانوں میں فقر و محبت کی تعریف دنیا سے کنارا کشی ، خانقاہی گوشہ نشیبی سمجھی جاتی تھی۔ اقبال نے محبت کو اپنے خاص مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ اور بے جان نظریات کو نئے پیراہن عطا کر کے مرد لفظوں کو نئی زندگی بخشی ہے۔ اقبال کے متعلق پیرکرم شاہ یوں رقمطراز ہیں:

"اقبال کاوجود اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت عظمیٰ ہے جس کی سپاسی گزاری سے ملت اسلامیہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ اس کی ضرب کلیمی بے قہہ و استبداد کے ہر پیکر کو چور چور کیا اس کی بانگ درا نے اگر آسؤدہ خواب غفلت قوم کو بیدار کیا، اس کے بال جبریل نے اگر درماندہ راہ کو بال و پردیئے اور ملت کو شوق پرواز بخشا تو اس صاحب صور اسرافیل نے ہماری مردہ اخلاقی قدروں ، بے جان نظریوں اور بے روح لفظوں کو ایک نئی زندگی سے ہمکنار کیا۔"(۲۸)

مضمون نگار نے قدیم ادب میں رائج محبت کے نظریات کو مختصراً بیان کیا ہے۔ مشرقی اور مغربی نظریات عشق و محبت کا ذکر بڑی چابکدستی سے کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ اگر محبت کی تعریف لغات اور بڑی بڑی کتابوں سے ڈھونڈنے لگیں یا فلسفہ اور نفسیات کا سہارا بھی لیں تو بات واضح ہونے کی بجائے الجھ جاتی ہے۔ اور انسان پریشان ہو کر ورطہ حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

"علامہ ابن قیم نے کتنے پتے کی بات کہی ہے کہ محبت کی جتنی تعریف اور وضاحت کی جائے گی اتنا ہی ابہام لڑے گا اور پیچیدگیوں میں اضافہ ہو تا جائے گا۔ محبت کی صحیح اور واضح تعریف یہی ہو سکتی ہے کہ محبت محبت ہے۔ لیکن آخر سخن طرازی بھی تو کوئی چیز ہے ہر چند اس اختصار سے کہ محبت محبت ہے گو مفہوم واضح ہو جائے لیکن نہ کہنے والے کی حسرت پوری ہو اور نہ سننے والے کا ارمان بٹے۔ اس لیے تھوڑا سا اور سن لیجئے۔ حسن و جمال کی قدر شناسی کو محبت کہتے ہیں اور حسن و جمال کسی ایک صورت و لباس کی اسیر و زندانی نہیں کسی بت طناز کی چشم نیم باز، کسی سروقامت کا خرام ناز، کسی کالحن دِاؤدی ، کسی کاسحربیاں، کس کی نڈر شجاعت، کسی کی پاکیزہ و بے داغ سیرت اور کسی کا اخلاق بلند، یہ سب آفتاب حسن و جمال کی کرنیں ہیں۔ حسن کسی رنگ میں ہو کسی روپ میں ہو دلکش دلتربا ہی ہوا کرتا ہے اور اپنے قدردانوں کے دلوں میں وصال و حصول کی ایک تڑپ اور پیاس سی پیدا کر دیتا ہے۔ اور عقل کے رنگ محل میں محبت کا چراغ کا چراغ جگمگانے لگتا ہے۔ تو داؤدی ایمن بن جاتا ہے اور جب ہوش و خرد کے بت کدہ میں خلیل عشق قدم ر نجہ فرماتا ہے تو ہواؤ ہوس، حیلہ سازی، مصلحت کوشی کے بت پاش ہو کر پیوند خاک ہو جاتے ہیں۔ "(۲۹)

لیکن اقبال کے یہاں محبت ایک گراں مایہ چیزہے۔ اقبال عشق کا استعمال وسیع تناظر میں کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک عشق ایک ایسی قوت ہے جو انسان کو زندگی کے جمالیات کو پرکھنے ، سمجھنے مطالعہ کرنے اور مشکلات حیات کو حل کرنے کا وسیلہ و ذریعہ ہے۔ عشق وہ پاکیزہ اور قوت بخش جذبہ ہے جو انسانی کردار کو اعلیٰ ورفع بنانے میں مرکزی کردار ادا کرتا ہے اور انسان کو اعلیٰ مقاصد کے لیے تیار کرتا ہے۔ اقبال عشق کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

صدق خلیل بھی ہے عشق ، صبر حسین بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدرو حنین بھی ہے عشق(۳۰)

حضرت علامہ کے نزدیک عشق ایک وسیع اور ہمہ گیر قوت ہے۔ اور چند امتیازی خصوصیات کا حامل ہے۔ عشق محفلوں کی رعنائی و شگفتگی بھی ہے اور پہاڑوں کی تنہائی بھی۔ خطیب منبر کی شعلہ بیانی بھی ہے اور عابد کی سرفروشی بھی ۔ عشق کی کوئی خاص شکل نہیں بلکہ ہمہ جہت ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

کبھی تنہائی کوہ دمن عشق
کبھی سوز و سرور و انجمن عشق
کبھی سرمایہ محراب ومنبر
کبھی مولا علیؑ خیبر شکن عشق
کبھی آوارہ و بے خانماں عشق
کبھی شاہ شہاں نو شیرواں عشق
کبھی میدان میں آتا ہے زرہ پوش
کبھی عریاں وبے تیغ وسناں عشق(۳۱)

اقبال کے نزدیک مقصد حیات کی جستجو ، لگن اور آرزو عشق ہے انسان کی فطرت میں عشق کا جوش و جذبہ اور ولولہ موجود ہے۔ یہ جمود کاشکار نہیں ہوتا بلکہ حرکت پذیر جذبہ ہے۔

ایسا جذبہ جو انسان و کائنات کو مسخر کر بھی لیتا ہے اور تخلیق و افزائش کائنات کاموجب بھی بنتا ہے۔ زمان و مکاں کی حدود و ،میودسے ماورا و بے نیاز ہوتا ہے۔ اسی سے ہی زندگی میں رونق اور گرمی گفتار کاموجب ہے اقبال کہتے ہیں:

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے ، سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دم جبریل ، عشق دل مصطفیٰؐ
عشق خدا کا رسولؐ ، عشق خدا کا کلام
عشق کے مضراب سے نغمہ تار حیات
عشق ہے نور حیات عشق ہے نار حیات(۳۲)

مضمون نگار بتاتے ہیں کہ اقبال کے نزدیک محبت و عشق کے بغیر کوئی بھی فردیا قوم بام عروج حاصل نہیں کر سکتی اور فنا سے کبھی نہیں بچ سکتی وہ بتاتے ہیں کہ اقبال ایسے لوگوں میں سے نہیں جو صرف سوئے ہوؤں کو جگاتے ہیں بلکہ اقبال جگاتا بھی ہے اور نشان منزل بھی متعین کرتا ہے۔ مسافر کو بھٹکنے ، سرٹپکنے اور حسرت و باس میں دم توڑنے کے لیے چوراہے میں لاکر نہیں چھوڑتا ۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال مفکر اسلام ، شاعر رنگین نوا، مرد حق نے ہمیشہ محبت عشق اور خودی کا درس دیا۔ یہی مقصود حیات ہے اور اصل زندگی ہے۔

اقبال کا نظریہ فقر(محمود احمد غازی)

زیر نظر مضمون محمود احمد غازی کی تخلیق ہے۔ انہوں نے بہت مدلل انداز میں حضرت علامہ کے نظریہ فقرکو پیش کیا ہے افکار اقبال میں تصور فقر ایک خاص مقام کا حامل ہے ۔ وہ بتاتے ہیں کہ قرآن مجید میں فقیر احتیاج کے معنوں میں جبکہ لفظ فقیر محتاج کے معنوں میں مستعمل ہے۔ لیکن اقبال کے نزدیک لفظ فقیر باعث افتخار ہے کیونکہ جو شخص خدائے لم یزل کے سوا کسی اور کا محتاج نہیں ہوتا وہی غنی کہلاتا ہے۔ اس ضمن میں واجد رضوی یوں رقمطراز ہیں:

"اصطلاح عام میں فقر سے بھیک مانگنا اور فقیر سے بھکاری مراد ہوتا ہے۔ لیکن اقبال کے نزدیک فقیر کے معنی مادی و سائل سے بے نیازی اور دینی و دینوی انعام اور بدل کے تصور سے نفرت ہے۔ فقر ذہن کی ایسی کیفیت ہے جس کے تحت انسان کسی اعلیٰ مقصدد کے تحت جدو جہد تو کرتا ہے لیکن اس کے معاوضے کا آرزو مند نہیں ہوتا۔ یہ صورت حال اسے ہر لالچ سے محفوظ رکھتی ہے۔ اس پر اسرار جہانگیری کو فاش کرتی ہے اور اس کے ذہن و فکر کو خاصیت اکسیر عطا کرتی ہے۔ "(33)

صاحب مضمون محمود احمد غازی بتاتے ہیں کہ"نظریہ فقر" کی بحث سب سے پہلے اقبال کے یہاں"جاوید نامہ" میں ملتی ہے۔ اس کے بعد کی تخلیقات (مثنوی مسافر، بال جبریل، ضرب کلیم، مثنوی پس چہ، باید کردا ے اقوام شرق، اور ارمغان حجاز) میں اقبال نے بڑے تزک و احتشام اور پر جوش انداز میں اپنے اس نظریہ کی توضیح پیش کی ہے۔ پچھلے چودہ سو برس میں اقبال وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن اور حدیث کے بعد نہایت خوبصورتی سے مقام آدمیت کو مرشح کیا ہے۔ اگر اقبال کے نظریہ فقر کابہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات آئینہ ہو جاتی ہے کہ انسان واقعی اشرف المخلوقات اور نائب حق ہے۔

وہ بتاتے ہیں کہ خودی حب تربیت کے مراحل طےکر کے پختگی کو پہنچتی ہے تو اس میں شان فقر پیدا ہوتی ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے اپنے مضمون میں فقر اور خودی کے تعلق کو واضح کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ وہ احساس خودی کے بعد تربیت خودی کے مراحل کی وضاحت کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ حب مرد حق کے اوصاف انسان میں پیدا ہو جاتے ہیں وہ روح کائنات کا درجہ پا لیتا ہے۔ زمان و مکاں کی حدود و قیود سے بے نیاز ہو جاتا ہے کائنات کی تمام قوتیں اس کے سامنے عاجز آجاتی ہیں۔ کائنات انقلاب سے آشنائ ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں انسان فقیر کے مقام سے آشنا ہوتا ہے وہ اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

" جب کوئی فردیا کسی قوم کے متعدد افراد مذکورہ تین مراحل سے گزر کر درجہ فقیر پر فائز ہوتے ہیں تو انسانی تہذیب و تمدن اور انسانی معاشرہ پر ان کے بہت سے اثرات مرتب ہوتے ہیں ان اثرات کو ہم فقیر کے خارجی مظاہر کہہ سکتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ فقرکےاثرات خور فقیر کی انفرادی زندگی پر کیا ہوتے ہیں۔"(34)

وہ بتاتے ہیں کہ ملوکیت اور استبدار سے ہمیشہ نبرد آزما رہنا اور اس سے کبھی صلح نہ کرنا صاحب فقر کی خاصیت اولیٰ ہے۔فقر چاہتا ہی یہ ہے کہ دنیا سے سے قیصریت اور کسرویت کو یکسر مٹا دیا جائے۔سلاطین ، حکمرانوں اور باطل طاقتوں کے خلاف پر سرپیکار اپنا اور ان کا مردانہ دار مقابلہ کرنا صاحب فقر کی فطری مجبوری ہے۔ فقیر کی شان اور ہئیت ہی ایسی ہوتی ہے کہ شاہان وقت اس کے آگے خود بخود جھک جاتے ہیں اس ضمن میں اقبال فرماتے ہیں:

یقین پیدا کرائے ناداں یقین سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری(۳۵)

اقبال کے نزدیک فقیر اس دنیا میں نائب حق ہے اس لئے اس میں خدائی صفات کا ہونا ایک لازمی امر ہے۔ وہ روح کائنات ہوتا ہے۔ حضرت علامہ نائب حق کے صفات اپنی کتاب"جادید نامہ" میں یوں بیان کرتے ہیں:

مرد حق از آسماں افتد چوں برق
ہیزم او شہر و دشت غرب و شرق
ماہنوز اندر ظلام کائنات
او شریک اہتمام کائنات(۳٦)

حضرت علامہ اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں جو اوصاف دیکھنا چاہتے ہیں وہ اس صورت میسر آسکتے ہیں کہ اس معاشرے میں اگر بیشتر افراد دولت فقر سے مالا مال ہوں اور اس معاشرے وہ تمام بدرجہ اتم موجود ہو جو اقبال کا مطمح نظر ہیں۔"مسجد قرطبہ" میں اقبال فقر کا تعلق اسلامی ریاست سے یوں جوڑتے ہیں:

آہ مردان حق وہ عربی شہ سوار
حامل خلق عظیم صاحب صدق یقیں
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں(۳۷)

اقبال کا مرد مومن (ضیاالحسن فاروقی) :

زیر نظر مضمون"اقبال کا مرد مومن" بالکل مختصر سا مضمون ہے ۔ جس میں ضیاء الحسن فاروقی نے کلام اقبال کی روشنی میں اقبال کے مردِ مومن کی صفات گنوائی ہیں۔ اور بہت مدلل انداز میں شعری حوالوں سے مرد مومن کی خصوصیات کو رقم کیا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ اقبال کی سب سے بڑی خواہش یہی رہی ہے کہ مسلمان اپنے نصب العین کو سمجھے اور اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرے۔

تیرے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے
عبث شکوہ تقدیر یزداں
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے(۳۸)

وہ بتاتے ہیں کہ اقبال کے نزدیک"تقدیر یزداں" کا مطلب مومن ہے چونکہ اقبال کےفلسفہ کا ماخذ قرآن ہے لہذا ان کے نزدیک وہی مرد مومن ہے جو اللہ کی صورت کا مظہر اور اخلاق رسول ﷺ کا حقیقی نمونہ ہو۔ یہی اقبال کا تصور مرد مومن ہے اور اسلام بھی اسی کا داعی ہے۔

ہر لحظہ مومن کی نئی آن نئی شان
کردار میں گفتار میں اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں(۳۹)

وہ بتاتے ہیں کہ اقبال کا پیغام در حقیقت قرآن ہی کا پیغام ہے۔ قرآن میں مومن کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ **"محمد رسول اللہ و الذین معہ اشداء علی الکفار ورحماء بینھم"**(40)اسی بات کو اقبالؒ یوں بیان کرتے ہیں :

ہو حلقہ باراں تو بریشم کی طرح نرم
افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
خاکی ہے مگر خا ک سے آزاد ہے مومن
جچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن(۴۱)

فاروقی صاحب بتاتے ہی کہ اقبال کامرد مومن گردش زمانہ کا محتاج و اسیر نہیں بلکہ راکب امام ہے۔ تاریخ انسانی اس کے اشارہ ابروکی مرہون منت ہے۔ وہ وقت کے دھارے کا جس طرف چاہے رخ موڑ سکتا ہے۔ اقوام عالم کی تقدیر اس کی مٹھی میں بند ہے۔

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر (۴۲)

مومن کی یہ خاصیت ہے کہ وہ ادنیٰ سی خواہش اور تنگی داماں کا مظاہرہ نہیں کرتا بلکہ انسانیت کے اعلیٰ مدارج کا حصول اس کا مقصود اول ہے اور یہی جذبہ شوق اسے اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اپنی جان تک کی بازی لگا دیتا ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت ، نہ کشور کشائی (۴۳)

وہ کہتے ہیں کہ مرد مومن کی صفات جو اقبال نے گنوائی ہیں اور طوالت کے خوف سے جن کو مکمل طور پر یہاں بیان نہیں کیا گیا وہ اس صورت میں پیدا ہو سکتی ہیں۔ جب انسان مکمل طور قرآن پر عمل کرے۔ اقبال اس حقیقت کی طرف اشارہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگراست
صد جہاں تازہ در آیات اوست
عصرہا پیچیدہ آفات اوست
بندہ مومن زآیات خدا است

ہر جہاں اندر براو اچوں قبا است
چوں کہن گرد د ہانے در برش
می دہد قرآں جہانے دیگرش(٤٤)

اقبال کا مرد مومن قرآن سے ماخوذ ہے اس میں بیان کردہ تمام صفات اس وقت پیدا ہوں گی جب وہ مکمل طور پر قرآن کو اپنا رہنما بنائے گا اور قرآن کے نظام زندگی اور قوانین کو پنائے گا۔ بحیثیت مجموعی فاضل مضمون نگار نے مختصراً مرد مومن کا اقبال کے اردواورفارسی کلام کی روشنی میں ایسا نقشہ کھینچا ہے جو قرآن مجید سے بھی مطابقت رکھتا ہےاور عقل انسانی کے لئے بھی قابل قبول ہے۔

اقبال اور نظریہ پاکستان (پروفیسر محمد مسعود احمد)

زیر نظر مضمو ن کے خالق پروفیسر محمد مسعود احمد نے نظریہ پاکستان کے متعلق حضرت علامہ محمد اقبال کے نظریات کو بڑی صراحت سے بیان کیا ہے۔ اقبال کی شاعری اور فرمودات کی روشنی میں تخلیق پاکستان کی ضرورت و اہمیت کو بڑی خوبصورتی سے واضح کیا ہے۔ اقبال چونکہ رجائی شاعر ہیں اس لئے وہ ہمیشہ مسلمانوں کیفرحتہ کے خواہاں رہے ہیں۔ اس لئے انہوں نےاپنی شعلہ بیانی سے خواب غفلت میں سوئے ہوئےمسلمانوں کا لہو گرمایا۔ وہ پر امید تھے کہ مسلمان قوم ہیں جذبہ حریت کبھی ختم نہیں کیا جا سکتاوہ ضرورابھریں گے اور اپنی عظمت کا چراغ روشن کریں گے۔ حفیظ ہوشیار پوری نے کہا تھا کہ کوئی قوم مرنے کے بعد پھر زندہ نہیں ہوتی۔ اس خیال کے جواب میں اقبال یوں رقمطراز ہیں:

"یہ خیال صحیح نہیں، مختار قومیں عام طو رپر ان کے محکوموں کے دل و دماغ پر یہ خیال اس لئے مسلط کر دیتی ہیں کہ ان میں پھر سے اپنی کھوئی ہوئی طاقت حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہی نہ ہو سکے۔ اسلام اس خیال کا قطعی مخالف ہے۔ آپ محض ایک قوم کے متعلق فرماتے ہیں کہ مر کر زندہ نہیں ہو سکتی، مگر خیال فرمائیے کہ قرآن تو قیامت کا قائل ہے۔ وہ تو کہتا ہے کہ ایک قوم کیا ساری دنیا مر کے ایک بار پھر زندہ ہو گی۔ "(٤٥)

وہ بتاتے ہیں کہ قوموں کی زندگی صرف خوش کن نظریات سے نہیں بنتی بلکہ اس کے لئے عملی جدو جہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اقبال امت مسلمہ کے سامنے اسوۂ رسول ﷺ کو بطور عملی نمونہ رکھتے ہیں۔ اقبال نے اسلامی شریعت کے گہرے مطالعے سے یہ اخذ کیا کہ مسلمانان ہند کے اوج و ترقی اور محکوں سے نکلنے کا واحد حل اسلام ہے لہذا مسلمانوں تو اسلام کی طرف راغت کیا جائے۔ اس ضمن میں اقبال 1930ء میں اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:

"میں نے تاریخ سےا یک سبق سیکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ تاریخ اسلام کے نازک دور میں اسلام نے ہی مسلمانوں کو بچایا ہے۔ معاملہ اس کے برعکس نہیں ہوا اگر آج بھی آپ اپنی توجہات اسلام کی طرف مرکوز کر دیں ار اس کے حیات آفرین تصور سے کچھ زندگی حاصل کر لیں تو پھر آپ دیکھیں گے کہ آپ کی منتشر طاقت و قوت جمع ہو رہی ہوگی۔ عظمت رفتہ دوبارہ حاصل ہو رہی ہوگی۔ اور اس طرح آپ مکمل تباہی سے خود کو بچا سکیں گے۔ قرآن کریم کی نہایت ہی معنی خیز آیت ہم کو یہ بتاتی ہے کہ پوری نوع انسان کی حیات اور تجدید حیات بالکل ایک فرد کی حیات اور تجدید حیات کی مانند ہے۔، پھر کیوں نہ آپ بحیثیت ایک قوم کے یہ ثابت کر دیں کہ نوع انسانی کے اس عظیم الشان تصور کے ہم عملی موید ہیں۔ آپ کی زندگی اور حرکت، فردیکتا کی سی زندگی اور حرکت ہو جب میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ ہندوستان کے بظاہر جو حالات نظر آرہے ہیں۔ فی الحقیقت ایسے نہیں ہیں تو اس سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ میں کوئی کرامت دکھا کر آپ کو بیوقوف بناؤں جب آپ تحفظ قومی جذبہ کے تحت ایک اجتماعی فروائیت پیدا کر لیں گے تو پھر یہ حقیقت خود بخود آپ

پر منکشف ہو جائے گی۔ قرآن کے الفاظ میں یوں کہئے کہ اگر آپ ثابت قدم رہے تو کوئی غلط کار آپ کو نقصان پہنچا سکتا بشرطیکہ آپ ہدایت پر ہوں۔"(٤٦)

وہ بتاتے ہیں کہ حضرت علامہ نے تصور پاکستان کا جو نظریہ پیش کیا اس کا محرک قومی تحفظ تھا۔ قومی تحفظ کاتصور اسلامی نظریہ سے ماخوذ ہے کیونکہ اقبال ایک آزادی مملکت خدادا کے خواہاں تھے جہاں اسلام نظریات کو ترویج و ترقی مل سکے اور اسلام کی تجربہ گاہ بنا سکے۔ اسلامی اصولوں کی روشنی میں ایک مستحکم، منظم سماجی اور معاشرتی نظام پرمشتمل ریاست ہو جو عالم اسلام کے لئے نمونہ ہو۔ مذکورہ بالا معاشرتی نظام کو اپنانے اور نافذ کرنے کے لیے ایک آزاد ریاست کا قیام ناگزیرتھا۔ اس لئے حضرت علامہ نے مسلم لیگ کے اجلاس منعقد 1930 ء میں اپنےخیالات ان الفاظ میں کیا:

"یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہندوستان کی آب و ہوا ، نسلوں، زبانوں، مذہبوں اور معاشرتی طریقوں کی لا متناہی رنگا رنگی کے پیش نظر ایسی خود مختار ریاستوں کی تشکیل ضروری ہے جو اتحاد زبان، نسل، تاریخ ، مذہب اور اقتصادی مفادات کی بنیاد پر قائم ہو۔"(٤٧)

اسی اجلاس سے خطاب فرماتے ہوئے اقبال نے کہا تھا:

"میں چاہتا ہوں کہ پنجاب ، شمال مغربی سرحدی صوبہ سندھ اور بلوچستان ایک ریاست میں ضم کر دیئے جائیں جو خود مختار ہو یا حکومت برطانیہ کے ماتحت ۔"(٤٨)

اس مضمون میں پروفیسر محمد مسعود احمد نے اقبالؒ کے اردو اور فارسی کلام، خطبات مکاتیب اور ملفوظات کی رونی میں نظر یہ پاکستان کی اساس ، محرکات اور اسباب وعلل کو واضح کیا ہے۔ پورے مضمون میں غالب نکتہ یہی ہے کہ مسلمان کے استحقاق بقا کو محفوظ کر نے کے لئے ، شریعت محمد ﷺ ککے کامل نفاد اورامت مسلمہ کی حقیقی تعمیر و ترقی آزاد ریاست یا ریاستوں کا قیام ناگزیر ہے۔ آزاد اور خود مختار مملکت کے قیام کے بغیر مسلمانوں کی اقتصادی مشکلات اور دینی امور کی پائیدار اساس نا ممکن ہے۔دوری بھی، حضوری بھی (ابو الاثر حفیظ جالندھری)

زیر نظر مضمون ابوالاثر حفیظ جالندھری کی تخلیق ہے۔ آپ دنیائے شعرو ادب کے وہ روشن چراغ ہیں جن سے ایک دنیا روشنی طلب کرتی رہے گی۔ صاحب مضمون نے حضرت علامہ سے گہری عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ علامہ اقبال کے حضور میں شرف باریابی حاصل کرنے اور ان سے اکتساب فیض کے لمحات کو خوبصورت پیرائے میں سپرد قلم کیا ہے کہ نژ میں بھی شاعری کا لطف آتا ہے۔ حفیظ جالندھری کو زبان پر قدرت حاصل ہے۔ وہ لفظوں کی جادوگری سے ایسا خسوں پیدا کرتے ہیں کہ قاری اس سے مسحور ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان کاسلسلہ گفتگو ایسے سفر کرتا ہے کہ قاری اکتائے بغیر بے تکان جتنا ہی چلا جاتا ہے۔ حفیظ جالندھری نے اقبال سے اپنی ملاقاتوں کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اقبال کے وصال کے بعد بعض لوگ حضرت علامہ سے بے تکلف دوستی کا دعویٰ کرتے نظر آتے ہیں اور بعض تو یہاں تک کہہ جاتے کہ اقبال کی شاعری میں تصور ہمارا جبکہ شعر اقبال لکھتے تھے۔ لیکن صاحب مضمون اس قسم کا کوئی دعویٰ نہیں کرتے۔ بس اتنا کہتے ہیں اقبال کے بارگاہ میں ان کی باریابی کی دو وجوہات تھیں ایک علامہ صاحب کی مہربانی اور کرم جبکہ دوسری حضرت مولانا گرامی کی ذات کے طفیل مجھے اقبال کے حضور شرف باریابی نصیب ہوا۔ وہ بتاتے ہیں کہ اقبال کی شخصیت کا رعب ، دبدبہ مناسب اور المکنت کا سحرمشاعروں میں واضح نظر آتا ہے۔ مشاعروں میں جب بڑے بڑےنامی گرامی شعراءکو سامعین نے مایوس کیا وہاں اقبال حسن وقار کے ساتھ اپنا کلام سناتے اور حاضر ین ان کی طرف توجہ کرتے وہ حیرت انگیز ہے وہ اپنےمضمون میں ایک مشاعرے کا ذکر کرتے ہیں جس میں سامعین ، ہندو، مسلمان اور سکھ کالج کے نوجوانوں نے ادھم مچھایا ہوا تھا۔ سیٹیوں اور پٹاخوں سے ایسی فضا بنائی

ہوتی تھی کہ بڑے سے بڑا گھاگ بھی ان کے سامنے نہیں ٹکتا تھا لیکن جیسے ہی اس مضحکہ خیزکیفیت میں اقبال کے نام کا اعلان ہوا کہ اب حضرت علامہ محمد اقبال سٹیج پر زینت افروز ہوں گے تو اقبال کے نام سنتے ہی سامعین کی کیفیت اس اقتباس میں ملاحظہ کیجئے:

"مشاعرے کی یہ مضحکہ خیز حالت تھی کہ ڈاکٹر اقبال کے نام کا اعلان کیا گیاکہ ڈاکٹر اقبال اپنا کلام سنائیں گے۔ میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ تمام زبانیں تمام شورو غل ، تمام تالیاں، تمام سیٹیاں یکایک چپ سادھ گئیں۔ وہ جو فرش پر جوتوں کی پھٹ پھٹ تھی۔ جو پنسلوں کی کھٹ کھٹ کھٹاک تھی سب دم بخود پانی کی سب مشکوں کے منہ بند ۔ یہ تھا علامہ اقبال کا میری آنکھوں سے پہلی مرتبہ کا دیدار۔ ایک مضبوط وجیہ ، ادھیڑ عمر کا فرد ، ترکی ٹوپی اوڑھے وقار کے ساتھ سٹیج پر آیا۔ اس نے فارسی زبان میں نظم ترنم کے ساتھ سنائی۔ یہ تھا اس کا حوصلہ اور اعتماد ذات عین اس وقت جب ستر ہزار میں زیادہ سامعین سکھ پنجابی کے رسیا ، ہندوہندی کے طالب اردو تک کے دشمن وہاں فارسی کی نظم "(۴۹)

درج بالا اقتباس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لوگ حضرت علامہ کی شخصیت سے کتنے مرعوب تھے جس مشاعرے کا احوال متذکرہ بالا اقتباس میں بیان ہوا ہے۔ اس میں اقبال نے فارسی نظم سنائی جبکہ وہاں فارسی سمجھنے والے سامعین کی تعداد معمولی سی تھی لیکن تحسین کی تالیوں نے رنگ محفل تو کیا زمین و آسمان کو بھی مسحور کر دیا۔ صاحب مضمون نے اپنے اس مضمون میں علامہ صاحب سے اپنی ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے چونکہ حفیظ جالندھری مولانا گرامی کے شاگرد تھےتو ان کے چٹھی رساں کے طور پر حضرت علامہ کے ہاں ان کا آناجانا لگا رہتا تھا اور اس طرح وہ اقبال کے حضورشرف باریابی سےبہرہ ورہوتے رہتےتھے۔ وہ بتاتے ہیں کہ جالندھر سے رسالہ"اعجاز" نکالنے کی خواہش تھی اور اس کے پہلے شمارے کے لئے حضرت علامہ کے اشعار درکار تھے۔ تو مولانا گرامی کے توسط سے ان چٹھی لیکر حضرت علامہ کی خدمت ہیں حاضر ہوا۔ اس ملاقات کا احوال وہ یوں بیان کرتے ہیں:

پہلے آپ نے مجھ سے گرامی صاحب کی صحت ان کے لاہور آنے کے ارادے پوچھے پھر دوبارہ خط پر نظر ڈالی اور میری تعلیم دریافت کی۔ میں ندامت کے کنویں میں گر گیا میرے منہ سے نکلا ساتویں جماعت پاس کہنا بھی بھول گیا۔ حکیم الامت اور اس دنیا میں سب سے بڑے عالم اور شاعر اقبال سے اشعار طلب کرتے وقت اپنی حیثیت علم کے بیان کے دوران سکول کے ایک بھگوڑے کا جو حال ہو سکتا ہے۔ اس کا اندازہ آپ فرما سکیں تو فرمائیے۔ علامہ کی نگاہوں میں حقارت کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔ فرمایا: مطالعہ جاری رکھو۔ پھر پوچھا ۔ تم فارسی میں شعر کہتے ہویا اردو میں؟ میں نے عرض کیا اردو میں فرمایا:

" بہت اچھی بات ہے ایک بات یاد رکھو اپنے اشعار میں پرانی طرز کے رونے دھونے کی تبلیغ سے باز رہنا۔ رونا رلانا بہت ہو چکا ہے۔ لوگوں کو ہمت اور حوصلہ درکار ہے۔"(۵۰)

صاحب مضمون حفیظ جالندھری صاحب چونکہ خود بھی اعلیٰ پائے کے شاعر ہیں۔ اردو شاعری پر انہیں ملکہ حاصل ہے۔ لیکن وہ اس بات پر نازاں ہیں کہ انہیں حضرت علامہ کے حضور میں اپنی ایک نظم سنانے کا موقع نصیب ہوا جو ان کے لئے کسی نعمت سے کم نہیں۔ ان کی نظم تین نغمے بہت مشہور ہوئی۔راس مسعود نے متعدد مشاعروں میں سنا اور حفیظ جالندھری سے اس کی نقل بھی حاصل کی۔ صاحب مضمون کو اپنی نظم حضرت علامہ کی سامنے سنانے کا وسیلہ راس مسعود بنے وہ حفیظ جالندھری کوپکڑ کر علامہ صاحب کےگھر لے آئے اور نظم سنانے کو کہا۔ اس ضمن میں اقتباس ملاحظہ ہو:

"یہ مرگ مناجات کی صورت تھی۔ نظم سنانی ہی پڑی مجھے یاد ہے میں نے خود بھی اس سے پہلے کبھی ایسا لطف اس نظم سے نہیں لیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب حقہ پیتےرہے۔ نظم سنتے رہے۔

بعض شعروں کو دوبارہ بھی پڑھوایا۔ جب تک میں، ٹیگور کی خواب آور شاعری کا حسن اور اس کا اثر اپنی ذات پر بیان کرتا رہا وہ بار بار بہت خوب کہتے رہے۔ پھر جہاں میں نے اقبال کی شاعری کو ایک تلاطم خیز دریا کہا اور ٹیگور کی پر بہار نہر یا ندی کو چھوڑ کر اس دریا کے کنارے کنارے ڈگمگاتے ہوئے چلنے کے شعر سنائے۔ تو علامہ میری طرف حیرت اور غور سے دیکھنے لگتے۔"(۵۱)

درج بالا اقتباس سے یہ بات آئینہ ہو جاتی ہے کہ حضرت اقبال نے حفیظ جالندھری کی نظم کو خوب سراہا۔ سرراس مسعود بھی بغل گیر ہوئے اور ماتھا چوما لیکن صاحب مضمون کو بے حد خوشی اس بات کی ہے اور اس بات نازاں ہیں کہ اقبال کو ان کی یہ نظم اتنی پسند آئی کہ انہوں نے اپنی ایک نظم میں ان کی بندش کے الفاظ استعمال کر ان کی میری حوصلہ افزائی کی جو کہ ان کے لیے سامان راحت ہے لکھتے ہیں۔

"مجھے اس تقریب سعید پر ناز کیوں نہ ہو، میں عمرپھر اس کو بھول نہیں سکتا کہ ایک نظم تو کم از کم میں نے زندگی میں ایسی بھی لکھی ہے جس کو اقبال نے نہ فقط سنا، بلکہ متاثر بھی ہوئے اور بقول تاثر اپنی ایک نظم میں میری بندش کے الفاظ بھی استعمال کئے۔ (تن تیرانہ من)۔"(۵۲)

صاحب مضمون بتاتے ہیں کہ یہ نظم حضرت علامہ نے مجھ سے نقل بھی کروائی۔ اس کے بعد حضرت علامہ نے جالندھری صاحب کو جالندھر سے علی بخش کے ذریعے بلوایا۔ اس وقت حضرت علامہ درد گردہ میں مبتلا تھے۔ تکلیف کی شدت اتنی تھی کہ کہتے شاید یہ درد گردہ میری جان ہی نہ لے لے ۔ اور حفیظ سے کہا کہ میرا مرثیہ لکھنا صاحب مضمون نے اس مضمون میں بڑی خوبصورتی سے حضرت علامہ سے اپنی ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے۔ان کی نثر میں شعریت کی شرینی نظر آتی ہے۔ جو صرف انہی کا خاصہ ہے۔

علامہ اقبال ملاقاتیں، یادیں ، تاثرات (نواب مشتاق احمد خاں)

زیر نظر مضمون کے خالق نواب مشتاق احمد خاں، حضرت علامہ کے ان مداحوں میں سے ہیں جن کو گھر میں ہی اقبال کی محبت ، عقیدت اور اقبال فہمی و اقبال شناسی کا درس ملا۔ ان کے والد محترم بہادرجنگ علامہ صاحب کے سیالکوٹ میں ہم مکتب تھے۔ صاحب مضمون کے پھوپھا خان نیاز الدین کا شمار بھی علامہ صاحب کے دوستوں میں ہوتا تھا۔ اس مناسبت سے صاحب مضمون کو اقبال سے گہری عقیدت ہے جو زریر نظر مضمون میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ مضمون نگار نے علامہ صاحب سے ملاقاتوں اور یاداشتوں کو سپردقلم کیا ہے۔ ان یاداشتوں میں علامہ صاحب کی ذاتی پسند اور ذوق کا ذکر بھی ملتا ہے۔ مثلاً علامہ صاحب کو کبوتر بہت پسند تھے اور صاحب مضمون کے پوپھا ان کو کبوتر مہیا کیا کرتے ھے ۔کبوتروں میں ان کی دلچسپی ان کے اس بیان سے ظاہر ہے۔ جو انہوں نے اپنے خط میں یوں بیان کی:

"کبوتر بہت اچھے ہیں مگر افسوس زمانہ حال کی مغربی تہذیب سے بہت متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ بچوں کی تربیت سے بیزار ہیں۔"(۵۳)

درج بالا اقتباس حضرت علامہ کے طنزیہ انداز کا غمازنظر آتا ہے۔ شاعری کے علاوہ آپ کی نثر میں بھی طنز کی کاٹ دیدنی ہے۔ صاحب مضمون کی حضرت علامہ سے پہلی ملاقات حیدر آباد میں ہوئی جب علامہ اقبال 1929ء میں مدارس میں لیکچرز دینے کے بعد تشریف لےگئے۔ یہ وہ وقت تھا جب اقبال کی شہرت اور علمی حیثیت چار دانگ عالم میں اپنا لوہا منوا چکی تھی۔ حیدر آباد اسٹیشن پر ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ اور بڑے بڑے اکابرین، طلباء اور وزرائے مملکت اور مداحین اقبال نے شرکت کی۔ اس ضمن میں صاحب مضمون یوں رقم طراز ہیں:

"میرے والد صاحب جب شاہی مہمان خانے میں ان سے ملنے گئے تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ میرا تعارف کراتے وقت والد صاحب نے علامہ سے کہا:ڈاکٹر صاحب !یہ پہلا موقع تھا کہ

میں نے علامہ کی زیارت کی میرے ذہن میں ایک شاعر کا جو روایتی تصور تھا، علامہ اس سے بہت مختلف تھےوہ شاعر سے زیادہ فلسفی اور مفکر معلوم ہوتے تھے۔ گفتگو کے دوران کبھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ کسی دوسرے عالم میں سیر کر رہے ہیں خود میرے پھوپھا جان کے نام ایک خط میں فرماتے ہیں: میں لاہور کے ہجوم میں رہتا ہوں ، مگر زندگی تنہائی کی بسر کرتا ہوں۔ مشاغل ضروری سے فارغ ہوا تو قرآن یا عالم تخیل میں قرون اولیٰ کی سیر۔ "(۵٤)

حضرت علامہ بڑے خوش خوراک تھے لیکن غذا میں سادگی شعار تھا۔ وہ آموں کو بہت پسند کرتے تھے۔ اس ضمن میں صاحب مضمون لکھتے ہیں:

"علامہ کو آموں کا بے حد شوق تھا۔ اس شوق کا یہ عالم تھا کہ ایک خط میں انہوں نے میرے پھوپھا جان کو لکھا: آموں کی کشش کشش علم سے کچھ کم نہیں۔ یہ بات میں بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ کھانے پینے کی چیزوں میں آم ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے مجھے محبت ہے۔ "(۵۵)

صاحب مضمون کی یاداشتوں اور ملاقاتوں کا احوال زیادہ تر علی گڑھ ، رامپور ، پانی پت اور حیدر آباد دکن سے ہے اور مضمون کا تعلق بھی اسی علاقے سے ہے۔ اس لئے ان علاقوں میں خاص کر حیدر آباد میں اقبال کے مداحوں کی کثیر تعداد تھی۔ اس کے علاوہ اسلام تہذیب و ثقافت میں حیدر آباد کو مرکزی حیثیت حاصل ہونے کے باعث اقبال خود اس علاقے کو پسند کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل حیدر آباد نے سب سے پہلے حیات اقبال ہی میں یوم اقبال بڑی شان و شوکت اور عزت و احترام سے بنایا۔ اس ضمن میں وہ یوں بیان کرتے ہیں:

"علامہ کو حیدرآباد سےبحیثیت ایک مرکز اسلام اور اسلامی تہذیب کے گہوارے کے بہت لگاؤ تھا۔ یہ لگاؤ یکطرفہ نہ تھا، اہل حیدر آباد کو بھی ان سے بے حد عقیدت تھی۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ علامہ کی زندگی میں انہوں نے نہ صرف یوم اقبال بڑی شان سے منایا بلکہ جہاں تک مجھے علم ہے اس کے منانے میں پہل کی۔ یہ جلسہ 9 جنوری 1938ء کو حیدر آباد کے سب سے بڑے باغ میں ٹاؤن ہال کی پر شکوہ عمارت میں منعقد ہوا اس میں حاضرین اور اقبال کے مداحوں کی اس قدر کثیر تعداد تھی کہ یہ عظیم الشان عمارت بھی اپنی تنگ دامانی کی شکایت کرنے لگی ۔ میں خود اس جلسے میں موجود تھا اور اس کا روح پرور نظارہ میری زندگی کی خوشگوار ترین یادوں میں سے ایک ہے۔ "(۵۶)

نواب مشتاق احمد خاں اپنے مضمون میں بتاتے ہیں کہ یوم اقبال منانے کے چار ماہ بعد جب حیدر آباد میں حضرت علامہ کی وفات کی خبر پہنچی تو ہر گھر ماتم کدہ بن گیا۔ ہر گھر میں سوگ اور ایصال ثواب کیا گیا۔ جگہ جگہ تعزیتی جلسے کئے گئے۔ ہر آنکھ اشکبار تھی۔ سب چھوٹے بڑے اپنے عظیم مفکر ، تصور پاکستان کے خالق کے غم میں نڈھال ہو رہے تھے۔ ایسا صدمہ تھا کہ جسکی تلافی ہوتی معلوم نہیں ہو رہی تھی۔ چار ماہ بعد اسی جگہ تعزیتی جلسہ منعقد ہوا جہاں چار ماہ قبل یوم اقبال کا اہتمام ہوا تھا ان کے تعزیتی جلسے میں حزن و ملال، رنج وغم اور احساس محرومی کی وہی کیفیت تھی جودس سال بعد قائداعظم کے جنازے پر تھی۔

سرمایہ داری اور اشتراکیت اقبال کی نظر میں (پروفیسر رحیم بخش شاہین)

زیر نظر مضمون میں صاحب مضمون نے مغربی جارحیت ، جاگیرداری نظام، سرمایا داری نظام اور اشتراکیت کو موضوع بحث بنایا ہے۔ ان نظاموں کے ابتدائی خدو خال ، نظام عملداری اور خامیوں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں ان نظاموں کے ارتقاء ، عروج زوال کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ رومن سلطنت کے زوال کے بعد جاگیرداری کو عروج حاصل ہوا۔ جاگیرداری کے عروج میں اہل کلیسا نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے اس نظام کی زبردست حمایت کی۔ اس نظآم میں صنعت و حرفت اور فنون کی ترقی و نشو ونما نہ ہو سکی۔ بلکہ برادری سسٹم مستحکم ہوا۔ لیکن اندلس اور صقلیہ مسلمانوں کے اقدار علم و فن ، تہذیب و ثقافت اور تمدن کو

فروغ حاصل ہوا۔ علم و فن کے عروج نے جاگیرداری نظام کے خلاف ایک زبردست مزاحمت پیدا کردی۔ سرمایا داری طبقہ اور آزاد خیالی نے معاشرے میں ایک ایسے نظام کو جنم دیا جس میں بے قید مغیثیت اور شخصی آزادی فطری حق ٹھہرا۔ اس نظام کے بے قید روش نے مغربی معاشرے کو بہت سی پریشانیوں سے دو چار کیا۔ سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیوں کو بیان کرتے رحیم بخش شاہین یوں رقمطراز ہیں:

"دین و دنیا کی جدائی کے تصور نے سرمای دار طبقہ کو معاشی لوٹ مار کےلئے کھلا چھوڑ دیا اور اس کے ذاتی مفاد کے لئے اجتماعی بلکہ انسانی مفادات کو نقصان پہنچانے سے بھی دریغ نہ کیا۔ ذخیرہ اندوزی، ایجنسی سسٹم قیمتوں میں کمی کے ڈر سے پیدا وار کا ضیاع ، سامان تعیش کی فروانی، مضر صحت اور مخرب اخلاقی اشیاء کی تیاری اور اشتہار بازی، استعمار پسندی، سود خوری وغیرہ لاتعداد برائیاں اس نظام کے پیٹ میں پرورش پانے لگیں جنہوں نے پوری دنیا کو جہنم بنا کررکھ دیا۔"(۵۷)

جب یورپ ان معاشی اور تہذیبی انقلابات سے گزر رہا تھا اور ان کے فکر و عمل میں انقلاب و تغیرات برپا ہو رہے تھے۔ یہی دور اقبال کے قیام یورپ کا دور ہے۔ ان انقلابات و تغیرات کو حضرت اقبال نے گہری نظر سے دیکھا۔ مغربی معاشرے کی یہ خرابیاں معاشی ہوں یا تہذیبی اقبال نے انہیں شدت سے محسوس کیا۔ اسی دور میں اس میں اشترا کی پارٹی نے 1918ء انقلاب برپا کیا۔ انسانیت نے اس انقلاب کو امن و انصاف کی نئی صبح سمجھتے ہوئے خیر مقدم کیا۔ تمام دنیا کی طرح اقبال نے بھی اس انقلاب کو خوش آئند قرار دیا۔ لیکن انسانیت کی مکمل نجات اقبال کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ بعض لوگوں نے اقبال کی اشتراکیت کی حمایت کو ان کے اشتراکی ہونے پر محمول کیا جو کہ حقیقت نہیں۔ اقبال کی عالمی معیشیت پر بڑی گہری نظر تھی اور معاشی اہمیت کو خوبی پہنچاتے تھے۔ اس ضمن میں بھی کچھ لوگوں کو غلط فہمی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں:

"اس سے یہ نتیجہ نکالنا کسی طرح درست نہیں کہ اگر انقلاب روس برپا نہ ہوتا تو اقبال انسان کے معاشی مسئلہ کی اہمیت سے پوری طرح واقف نہ ہوتے یہ بات عام طور پر معلوم نہیں ہے کہ اقبال نے اس زمانے میں"علم الاقتصاد" (1904ء) کے موضوع پر ایک جامع کتاب تصنیف کی جب برصغیر میں اس موضوع سے دلچسپی کا تقریباً فقدان تھا۔ پھر انہوں نے اپنے مختلف مقالات اور نگارشات میں بھی اقتصادی مسئلہ کی سنگینی کی طرف توجہ مبذول کی۔ "(۵۸)

حضرت اقبال چونکہ حکیم اور شاعر تھے۔ اس لئے ان کے لئے زمانی انقلابات اور تغیرات سے بے نیاز ہونا ممکن نہ تھا۔ اقبال نے بھی روس میں عادلانہ معاشی و معاشرتی اشتراکی نظام سےاچھی امیدیں وابستہ کیں۔ اس کی دلیل اقبال کی شاعری ہے جس میں وہ سرمایہ و محنت اور محنت کار کی حمایت کرتے نظر آتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کی نظم"خضرراہ" اور بیان مشترک کی بہت سی نظمیں مثلاً، پیام، محبت، رفتگاں، محاورہ مابین حکیم آگئیں کوسٹ و مزدور موسیولیف، قیصر ولیم، قسمت نامہ ، سرمایہ دار اور نوائے مزدور میں محنت کی عظمت اور سرمایہ درا طبقہ کی حیلہ سازیوں اور عیارانہ چالوں کی کشمکش میں مزدور اور محنت کار کی حمایت میں رطب اللسان نظر آتے ہیں خضرراہ کے یہ اشعار ملاحظہ کریں:

بندہ مزدور کوجا کر مراپیغام دے
خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیام کائنات
اے کہ تجھ کو کھاگیا سرمایہ دار حیلہ گر
شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات (۵۹)

اقبال جہاں سرمایہ دار اور جاگیردار کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں وہاں محنت کش طبقہ کو بھی ہدف تنقید بناتے ہیں اور مزدوروں و محنت کش کی سادگی اور نادانی پر کف افسوس ملتے نظر آتے ہیں:

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات
کٹ مرا ناداں خیالی دیوتاؤں کے لئے
سکر کی لذت میں تو لٹوا گیا نقد حیات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار ا
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات (۶۰)

پیام مشرق کی ایک نظم"نوائے مزدور " میں مزدور کی زبانی سرمایہ دار کے استحصال کا ذکر ملتا ہے۔ سرمایہ دار اپنی حیلہ سازی سے سارا سرمایہ لے جاتا ہے اور مزدور کو بس آب و دانہ ہی ملتا ہے۔ اس نظم میں اقبال محنت کش کو بیدار ہونے اور اپنے حق جبراً حاصل کرنے پر راغب کرتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بیاکہ تازہ نوامی تراوداز رگ ساز
مٹے کہ شیشہ گداز و یہ ساغر اندازیم
مغان و دیر مغاں را نظام تازہ وہیم
بنائے میکدہ ہائے کہین براندازیم
زر ہزنان چمن انتظام لالہ کشیم
یہ بزم غنچہ و گل طرح دیگر اندازیم
بطوف شمع جو پروانہ زیستن تاکے
زخویش ایں ہمہ بیگانہ زیستن تاکے(۶۱)

اقبال بھی تمام اہل نظر و دانشور لوگوں کی طرح اشتراکی نظام کوانسانیت کے لئے مفید اور ثمر آور خیال کرتے تھے لیکن آہستہ آہستہ جیسے ہی روسی انقلاب کے اندرونی عزائم واضح ہوتے گئے تو اقبال نے سرمایہ داری کی طرح اشتراکیت کی بھی مذمت کی ۔ اس تمام مذمت کے باوجود کچھ مفاد پرست"خضرراہ " اور پیام مشرق کی نظموں کے باعث انہیں اشتراکی خیال کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اقبال سرمایہ دار کےمقابلے میں اشتراکیت کو ترجیح دیتے ہیں جبکہ انسانیت کے لیے حقیقی اور نجات دہندہ نظام صرف اور صرف اسلام ہے۔ اس ضمن میں صاحب مضمون کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"اقبال سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کی مذمت کرتے ہیں ان کے نزدیک صرف قرآن کی تعلیمات ہی اقتصادی اور دیگر اجتماعی مسائل کا بہترین حل پیش کرتی ہیں۔ قرآن اعتدال کی راہ تجویز کرتے ہوئے سرمایہ کو مذہبی ، اخلاقی اور دیگر قانونی پابندیوں کے ذریعے ظلم و ستم کا آلہ نہیں بننے دیتا۔ اسلامی معاشی مساوت سے آگے بڑھ کر اخوت اور انسانی بھائی چارہ کا نظام قائم کرنا چاہتا ہے ۔ لہذا مسلمان دانشوروں اور مزدوروں کو چاہئے کہ وہ مغرب کی اندھی تقلید کرنے کی بجائے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں اپنا نصب العین اور لائحہ عمل متعین کریں یہ کتنے دکھ کی بات ہے کہ مسلمان کے پاس بصیرتوں کا انمول خزینہ موجود ہے لیکن وہ رہنمائی کے لئے راہ راست سے بھٹکی ہوئی قوموں کی پیروی کرنے میں اپنی صلاحیتیں ضائع کر رہے ہیں۔ "(۶۲)

حضرت اقبال مسلمانوں کو قرآن مجید پر غور کرنے اور اسلامی تعلیمات کو اپنانے پر زور دیتے ہیں اور اقوام عالم کی پیروی سے دور رہنے اور اسلام ضابطہ حیات کو اپنانے کی تلقین کرتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

دیکھے تو زمانے کو اگر اپنی نظر سے
افلاک منور ہوں تیرے نور سحر سے
اغیار کے افکار و تخیل کی گدائی
کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی (۶۳)

فاضل مضمون نگار نے اپنے مضمون میں بڑے مدلل انداز میں مغربی مادیت کا پس منظر، جاگیرداری اور سرمایہ داری کا ارتقاء، ان نظاموں کی خامیاں، معاشی انقلابات و تغیرات ، اشتراکی انقلاب اور اس کے نتیجے میں سامنے آنے والی اشتراکی حکومت سے متعلق مختصر مگر جامع گفتگو کی ہے۔ ان نظام ہائے معیشت کے متعلق حضرت اقبال کے خیالات و نظریات اور اقبال کے متعلق لوگوں کی رائے کو بڑی خوش اسلوبی سے پیش کیا ہے۔ مضمون کا اندازہ تحریر سلیس عام فہم اور حقیقت پسندانہ ہے۔

مغربی نظام تعلیم پر اقبال کی تنقید (پروفیسر رحیم بخش شاہین)

حضرت اقبال حکیم، مفکر اور شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر تعلیم بھی تھے ۔ انہو ں نے اپنے دور کے مشرقی اور مغربی نظام ہائے تعلیم کا بالغ نظری سے مطالعہ کیا وہ مکمل طور پر دونوں نظاموں سے مطمئن نہیں تھے بلکہ وہ دونوں نظاموں کی روشنی میں نئے نظام تعلیم کو اپنانے کے خواہاں تھے جس میں دونوں نظاموں کی خوبیوں کو مجتمع کیا جائے اور خامیوں کو دور کیا جائے۔ اس ضمن میں پروفیسر رحیم بخش شاہین اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

"یہی وجہ ہے کہ ان کے افکار تعلیم کے مطالعہ سے ہمیں بیک وقت دونوں نظاموں کی تائید اور تردید کا احساس ہوتا ہے کہ وہ ان کے صالح عناصر کی آمیزش اور امتزاج سے ایک بہترین نظام تعلیم تشکیل دینے کے خواہش مندتھے ملت اسلامیہ کے شعبہ تعلیم کی تعمیر نو کے لئے بنیادی خطوط کی نشاندہی اقبال کا ایک ایسا کارنامہ ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ "(۶۴)

حضرت علامہ نے یورپ کی مایہ ناز علمی مراکز میں تعلیم حاصل کی۔ انگلستان اور جرمنی کی اہم جامعات میں انہیں تحصیل علم کا موقع ملا۔ لیکن اس سب کے باوجود حضرت علامہ مغربی نظام تعلیم سے اتفاق نہیں کرتے بلکہ شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ ان کے نزدیک، مغربی تعلیم کی خرابی تصور علم کا ناقص ہونا ہے۔ یورپی علم کی بنیادی حواس خمسہ پر ہے۔ جس کی مدد سےمادیت کو توسر کیا جا سکتا ہے لیکن حقیقت تک رسائی ممکن نہیں۔ مغربی نظام تعلیم پر حضرت علامہ یوں تنقید کرتے ہیں:

تعلیم پیرِ فلسفہ مغربی ہے یہ
ناداں ہیں جن کو ہستی غائب کی ہے تلاش
محسوس پر بنا ہے علوم جدید کی
اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش
مذہب ہے جس کا نام وہ ہے اک جنون خام
ہے جس سے آدمی کے تخیل کو انتعاش
کہتا مگر ہے فلسفہ زندگی کچھ اور
مجھ پر کیا یہ مرشد کامل نے راز فاش
باہر کمال اند کے آشفتگی خوش است
ہر چند عقل کل شدہ بے جنوں مباش (۶)

مضمون نگار رحیم بخش شاہن بتاتے ہیں کہ اقبال کے نزدیک مغربی نظام تعلیم حق باری تعالیٰ کی معرفت تو درکنار بلکہ لادینیت اور دہریت کو پروان چڑھاتا نظر آتا ہے۔ اس نظام کا مرکز و

محور صرف مادیت ہے۔ روحانیت اور حیات انسانی کے اساسی حقائق سے لا تعلق نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں اقبال کہتے ہیں:

زندگی کچھ اور شے ہے علم ہے کچھ اور شے
زندگی سوز جگر ہے علم ہے سوز دماغ
علم میں دولت بھی ہے قدرت بھی ہے لذت بھی ہے
ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ (۶۶)

وہ بتاتے ہیں کہ اہل مغرب کا علم کے لئے صرف مادی اشیاء اور حواس خمسہ کوہی معتبر خیال کرنا اور اسے خیروشر کا معیار قرار دینے سے مغربی معاشرہ انحطاط کا شکار ہوا ہے۔ اقبال نے ان نقائص کو اپنے کلام میں جابجا بیان کیا ہے خاص کر بال جبریل کی متعدد غزلوں میں انہیں کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ اس ضمن میں صاحب مضمون رقمطراز ہیں:

"مغربی تصور علم نئی نسلوں کی شخصیت کی متوازن تعمیر میں بری طرح ناکام رہا ہے۔ ان کے ظاہر و باطن اور قول و فعل میں موافقت کا فقدان ہے۔ ان کی عقل باریک مگر روح تاریک ہے ان کا پےمانہ خالی روح پیاسی اور دل تاریکی کی آماجگاہ ہے۔ جب کہ چہرہ اور ظاہری حالت ترو تازہ اور روشن ہے۔ بے یقینی ، یاس ، نا امیدی ان کی زندگی کا نمایاں وصف ہے۔ وہ ہماری ذات کے شعور سے محروم اپنے وجود سے بے خبر اغبار کی دریوزہ گری میں مصروف ہیں۔"(۶۷)

پروفیسر رحیم بخش اپنے مضمون میں بتاتے ہیں کہ اہل مغرب نے ناصرف اپنے لئے بلکہ یہ نظام تعلیم اپنی محکوم قوموں پر بھی مسلط کیا۔ تاکہ ان کی ذہنیت کو مذہبی ، اخلاقی اور فکری سطح پر غلام بنایا جا سکے۔ برصغیر میں انگریزوں کا رائج کردہ نظام تعلیم بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھا۔ جس کا اعتراف ماہر تعلیم لارڈ میکالے نے کیا ہے۔ مقامی آبادی کو غلامی میں پختہ تر کرنا اور ان کے قومی تشخص کو فنا کرنا انگریزوں کا مقصد تھا۔ یہ اقوام عالم کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے کہ محکوم قوموں کو جتنا ہو سکے، ذہنی ، فکری اور اخلاقی لحاظ سے پست اور کوتاہ نظری کی دلدل میں دھکیل دیا جائے۔ اقبال اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

سینے میں رہے راز ملو کا نہ تو بہتر
کرتے نہیں محکوموں کو تیغوں سے کبھی زیر
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہوجائے ملائم تو جدھر چاہے ادھر پھر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر (۶۸)

وہ بتاتے ہیں کہ جب ایسے حالات پیدا کر دئیے جائیں تو محکوم قوموں کی طور واطوار غلامانہ تہذیب کو اپنانے لگتے ہیں۔ جذبہ آزادی کا مشغلہ بجھ جاتا ہے یہی وہ ہتھکنڈے ہیں جو حکمران طبقہ اپناتا ہے۔ اس صورت حال میں سب سے زیادہ ذہن طبقہ مرعوب ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شعر و ادب اور حکمت وصف پر حکمران طبقہ کا قبضہ ہو جاتا ہے۔ اس سے سامراجی قوتوں کے مقاصد واہداف کی تکمیل آساں اور ممکن ہو جاتی ہے۔ محکوم قوموں کے شاعروں ، ادیبوں علماء اور حکماء کی روش پر اقبال یوں تنقید کرتے ہیں:

بہتر ہے کہ شیروں کو سکھا دیں رم آہو
باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ
کرتے ہیں غلاموں کو غلامی یہ رضا مند
ناویل مسائل کو بناتے ہیں بہانہ (۶۹)

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ مغربی تعلیم کو حضرت اقبال نے خوب تنقید کا نشانہ بنایا لیکن وہ اس کی خوبیوں کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ جو پہلو اچھےا ور قابل تنقید ہیں ان کو اپنانے پر زور دیتے ہیں۔ اہل مغرب کی سائنسی ترقی کو وہ پسندیدہ نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کی تحقیقی کا وشوں کو سراہتے ہیں اور مسلمانوں کو یاد دلانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں کہ مغرب کی سائنسی ترقی دراصل مسلمانوں کی کاوشوں اور محنت کا ثمر ہے۔ علم ہی سے عزت و قدر منزلت حاصل ہوتی ہے اور علم ہی شرف انسانیت کا باعث ہے۔ حضرت آدم ؑ کو فرشتوں پر فوقیت علم کی بنیاد پر ہی دی گئی۔ اقبال کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

علم اسماء اعتبار آدم است
حکمت اشیاء حصار آدم است (۷۰)

نتیجہ بحث:

مقالہ نگارواضح کرنا چاہتے ہیں کہ اقبال کے نزدیک مغربی فکر اور فلسفہ جدید سے آگاہی دور جدید کے علمی تقاضوں کے لئے ضروری ہے۔ علوم مغرب کے وہ پہلو جن کا تعلق تسخیر کائنات سے ہے۔ اقبال کی نظر میں لائق تحسین ہیں۔ علم کے ان نادر خزانوں کو غیر مسلم اور علیحد ہ سمجھ کر ٹھکرانہ نہیں چاہے بلکہ اسے اپنی گم گشتہ میراث سمجھ کر قبول کرنا چاہئے۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ ان جدید علوم کی بنیادیں مسلمان علماء و حکماء نے ہی رکھی تھی۔ لہذا اگر اہل مغرب ان علمی خزانوں سے خوشہ چینی نہ کرتے تو علم کے آفاق ان پر کبھی وا نہ ہوتے۔ مقالہ نگارنے بڑی صراحت سے مغربی تعلیم پر اقبال کے افکار و نظریات کا جائزہ لیا ہے۔ اقبال کے خطوط اردو وفارسی کلام سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ اقبال مغربی اور مشرقی علوم کے ان پہلوؤں کے خواہاں تھےجو مزید علم کے دروا کرنے میں ممد و معاون ہوں۔ جو صرف مادیت کے پرستارنہ ہو بلکہ مادیت کے ساتھ ساتھ روحانیت پر بھی نظر ڈالیں اور انسان کو اس قابل بنائیں کہ وہ ذات مطلق کو پہچان سکے اور اس دنیائے آب و گل میں اپنے مقام و مرتبے کا تعین کر سکے۔ یہ مضمون اقبال کے نظریہ تقسیم کو بڑی خوبصورت سے واضح کرتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

1۔ضیائےحرم (ماہنامہ)، اقبال نمبر، نومبر1977ء، لاہور، ص 8
2۔ ایضاً ص 11
3۔ ایضاً ص 11-12
4۔ ایضاً ص 15
5۔ ایضاً ص 21
6۔ ایضاً ص 26
7۔ ایضاً ص 27
8۔ ایضاً ص 29
9۔ ایضاً ص 32
10۔ ایضاً ص 33
11۔ ایضاً ص 35
12۔ ایضاً ص 36
13۔ ایضاً ص 36
14۔ ایضاً ص 37
15۔ ایضاً ص 41
16۔ ایضاً ص 42
17۔ ایضاً ص 42
18۔ ایضاً ص 43

19۔محمد اقبال ،"کلیات اقبال فارسی"(لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز ، 1973ء) ص 669
20۔محمد عبدالرشید، "اقبال اور عشق رسول" (دہلی: اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، 1983ء)ص 47
21۔ محمد اقبال ،"کلیات اقبال فارسی"، ص166
22۔ ایضاً ص 166
23۔ محمد اقبال،"کلیات اقبال فارسی"، ص 207
24۔محمد بن اسماعیل البخاری،"طوق النجاہ"(دمشق: 1466ھ، کتاب الایمان، باب حب رسول، ص12
25۔ڈاکٹر حافظ محمدطفیل،" حب رسول کی قرآنی بنیادیں"(فیصل آباد: البغداد پرنٹرز ،س،ن) ص 20
26۔ محمد اقبال ،"کلیات اقبال فارسی"، ص19
27۔ ایضاً ص 44-45
28۔ ضیاےحرم (ماہنامہ)، اقبال نمبر، نومبر1977ء، لاہور ص 57
29۔ ایضاً ص 59
30۔ محمد اقبال، " بال جبریل"(لاہور :شیخ غلام علی اینڈ سنز،1973ء) ص112
31۔ محمد اقبال،" کلیات اقبال اردو"(دہلی :ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس،1995ء) ص 379
32۔ محمد اقبال، "بال جبریل" ص94-95
33۔ واجد رضوی، "دانائے راز"(لاہور:مقبول اکیڈمی 1ء) ص126-27
34۔ ضیاےحرم (ماہنامہ)، اقبال نمبر، نومبر1977ء، لاہور ص 66
35۔ محمد اقبال،" کلیات اقبال اردو"، ص 351
36۔ محمد اقبال ،"کلیات اقبال فارسی"، ص 217
37۔ محمد اقبال، "بال جبریل" ص 92
38۔ محمد اقبال،" کلیات اقبال" (اردو)، ص 1063
39۔ ایضاً ص 861
40۔ ایضاً ص841
41۔ ایضاً ص 836
42۔ ایضاً ص 694
43۔ محمد اقبال ،"کلیات اقبال فارسی"، ص669
44۔ضیاےحرم (ماہنامہ)، اقبال نمبر، نومبر1977ء، لاہور ص 74
45S.A. Vahid ,"Introduction to Iqbal , Pakistan Publications, Karachi , 1960, P.50
46 Sayid Ghulam Mustafa Shah, Cross in Subcontinent, Pakistan Publications House , Karachi, 1961, P.144
47-Wilfred Cantwell Smith, V.Gollancz Limited , India , 1947, P.307
48۔ ضیاےحرم (ماہنامہ)، اقبال نمبر، نومبر1977ء، لاہور ص84
49۔ ایضاً ص 86
50 ایضاً ص 88
51۔ ایضاً ص 89
52۔ ایضاً ص 90
53۔ ایضاً ص 92
54۔ ایضاً ص 93
55۔ ایضاً ص 93-94
56۔ ایضاً ص 94
57۔ ایضاً ص 98
58۔ ایضاً ص 99
59۔سعید بزمی(مرتب)، کلیات اقبال اردو، خزینہ علم و ادب لاہور، 2004ء ص 491
60۔ ایضاً ص 491
61۔ محمد اقبال ،"کلیات اقبال فارسی"، ص 216-17
62۔ ضیاےحرم (ماہنامہ)، اقبال نمبر، نومبر1977ء، لاہور ص 104
63۔ محمد اقبال،" کلیات اقبال "(اردو)، ص 945
64۔ ضیاےحرم (ماہنامہ)، اقبال نمبر، نومبر1977ء، لاہور ص105

65۔ محمد اقبال، "کلیات اقبال اردو"، ص 461
66۔ ایضاً ص 887
67۔ ضیاےحرم (ماہنامہ)، اقبال نمبر، نومبر1977ء، لاہور 106
68۔ محمد اقبال،" کلیات اقبال اردو"، ص989
69۔ ایضاً ص 969
70۔ محمد اقبال ،"کلیات اقبال فارسی"، ص 144